ربوہ
ماہنامہ
خالد
مئی
سنہ ۱۹۸۰ء
ایڈیٹر: محمد الیاس منیر

UNITED
FLUSH DOORS

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

—— فاستبقوا الخیرات ——

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

خالد

ربوہ

جلد ۲۷ شمارہ ۷

ہجرت ۱۳۵۹ ہش

مئی ۱۹۸۰ء

ایڈیٹر: محمد الیاس منیر

نائبین: سید حسین احمد - اخلاق احمد انجم

معاونین: اظہر احمد منصور احمد عارف

پبلشر: مبارک احمد خالد - پرنٹر: سید عبدالحی -

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ -

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ -

ترتیب

قیمت سالانہ = ۱۵ روپے

قیمت ماہوار = ۱.۵۰ روپے

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

خلافتِ حقہ

خدا کے فرستادوں کی دنیائے فانی سے رحلت کا وقت کتنا نازک ہوتا ہے! ــ کتنی جانکاہ ہوتی ہے ان کے فراق کی گھڑی ــ سارے خدام ــ سبھی عشاق جدائی کے غم سے گویا دیوانے ہوئے جاتے ہیں ــ اور اُدھر غیر یہ سمجھتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ نابود ہُوا کہ ہُوا ۔ آج نہیں تو کل یہ معدوم ہو کر رہ جائیگا ــ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایسی ہی نازک صورتِ حال پیش آئی ــ لیکن خدا تعالیٰ نے خلافتِ حقہ اسلامیہ قائم کر کے مخالفوں کی جھوٹی خوشیاں اور خام امیدیں پامال کر کے رکھ دیں ــ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی کو منصبِ خلافت پر فائز کر کے یہ ثابت کر دیا کہ الٰہی سلسلے اللہ تعالیٰ کی حفاظتِ خاص میں ہوتے ہیں ــ آپ نے اس شان سے خلافت کے فرائض سرانجام دیئے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی قائل ہو گئے کہ تمکینِ دینِ اسلام کا وعدہ بہر حال حق ہے ــ

تاریخ نے ہمیشہ اپنے آپ کو دہرایا ہے چنانچہ چودہ سو برس بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فدائی اور عاشقِ صادق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی وفات جو ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی تو وہی ماجرا گزرا ۔ اس وقت بھی دنیا کے وہی تیور تھے ــ اور وہی باتیں ۔ وہی خام امیدیں اور وہی بے سروپا اندازے مگر خدائے لم یزل نے اپنی سنّت کو دھرایا اور چشمِ عالم نے ایک دفعہ پھر یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے قدرتِ ثانیہ کا جلوہ دکھایا اور جماعت احمدیہ کو نعمتِ خلافت سے سرفراز کر کے تمکینِ دین کا وعدہ پورا کر دکھایا ــ مصائب و ادبار کی آندھیاں فتنوں اور شورشوں کے جھکڑ اس میں روک نہ بن سکے ــ اور حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خلعتِ خلافت سے نوازا اور اس طرح احبابِ جماعت کے غمگین دلوں کی ڈھارس بندھائی ۔ اور اس دن سے لے کر آج کے دن تک کہ قریباً پون صدی گزر رہی ہے ۔ جماعت احمدیہ میں خلافت اپنی تمام برکتوں کے ساتھ قائم دائم ہے اور انشاء اللہ العزیز قائم رہیگی ۔

یہ ہماری خوش بختی کی انتہا ہے کہ ساری دنیا میں آج صرف ہمیں بفضلہ تعالیٰ یہ سعادت حاصل ہے کہ ہم خلافت کے روحانی نظام سے وابستہ ہیں ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ثباتِ قدم عطا فرمائے اور اس بابرکت اور روحانی نظام سے ہمیشہ وابستہ و پیوستہ رکھے ۔ اللّٰھم آمین ۔

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے!

حضرت امام آخرالزمان علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دور کرنے کے واسطے جو ان کی جگہ آتے ہیں انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۳۸۳)

"میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔"

(الوصیت صفحہ ۷)

پھر فرمایا:۔

"دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین و نبیین و ائمہ و خلفاء ہے تا ان کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہِ راست پر آجائیں اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پائیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔"

(سبز اشتہار)

"صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اُس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا ازسرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دہم صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ بباعث چند در چند فتنوں اور بغاوتِ اعراب اور کھڑے ہونے والے جھوٹے پیغمبروں کے میرے

باب پر جب وہ خلیفہ رسول اللہ صلعم مقرر کیا گیا وہ مصیبتیں پڑیں اور وہ غم دل پر نازل ہوئے کہ اگر وہ غم کسی پہاڑ پر پڑتے تو وہ بھی گر پڑتا اور پاش پاش ہو جاتا۔ اور زمین سے ہموار ہو جاتا مگر چونکہ خدا کا یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب خدا کے رسول کا کوئی خلیفہ اس کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے تو شجاعت اور ہمت اور استقلال اور فراست اور دل قوی ہونے کی روح اُس میں پھونکی جاتی ہے۔ جیسا کہ یشوع کی کتاب باب اوّل آیت ۶ میں حضرت یشوع کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مضبوط ہو اور دلاوری کر۔ یعنی موسیٰؑ تو مر گیا اب تو مضبوط ہو جا۔ یہی حکم قضاء و قدر کے رنگ میں نہ شرعی رنگ میں حضرت ابوبکرؓ کے دل پر بھی نازل ہوا تھا۔" (تحفہ گولڑویہ ص۵۸)

ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

"یہ خدا تعالیٰ کی سنّت ہے اور جب سے کہ اُس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سنّت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔ اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے۔ اور اس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے۔ اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا۔ اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے۔ اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔"

(الوصیت صفحہ ۵-۸)

خلافت راشدہ کے سات امتیازات

(از قلم ۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اوّل: انتخاب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ یہاں امانت کا لفظ ہے۔ لیکن ذکر چونکہ حکومت کا ہے۔ اس لئے امانت سے مراد امانت حکومت ہے۔ آگے طریقِ انتخاب مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ چونکہ خلافت اس وقت سیاسی تھی مگر اس کے ساتھ مذہبی بھی۔ اس لئے دین کے قائم ہونے تک اس وقت کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انتخاب صحابہ کریں کہ وہ دین اور دیندار کو بہتر سمجھتے تھے۔ ورنہ ہر زمانہ کے لئے طریقِ انتخاب الگ ہو سکتا ہے۔ اگر خلافت صحابہؓ کے بعد چلتی تو اس پر بھی غور ہو جاتا کہ صحابہ کے بعد انتخاب کس طرح ہوا کرے۔ بہرحال خلافت انتخابی ہے اور انتخاب کے طریق کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے۔

دوم: شریعت

خلیفہ پر اوپر سے شریعت کا دباؤ ہے۔ وہ مشورہ کو رد کر سکتا ہے۔ مگر مشورہ...... کو رد نہیں کر سکتا۔ گویا وہ کانسٹی ٹیوشنل ہیڈ ہے۔ آزاد نہیں۔

سوم: شوریٰ

اوپر کے دباؤ کے علاوہ نیچے کا دباؤ بھی اس پر ہے یعنی اسے تمام امور میں مشورہ لینا اور جہاں تک ہو سکے اس کے ماتحت چلنا ضروری ہے۔

چہارم: اندرونی دباؤ یعنی اخلاقی

علاوہ شریعت اور شوریٰ کے اس پر نگران اس کا وجود بھی ہے۔ کیونکہ وہ مذہبی راہنما بھی ہے اور نمازوں کا امام بھی۔ اس وجہ سے اس کا دماغی اور شعوری دباؤ اور نگرانی بھی اسے راہِ راست پر چلانے والا ہے۔ جو خالص سیاسی منتخب یا غیر منتخب حاکم پر نہیں ہوتا۔

پنجم: مساوات

خلیفہ اسلامی انسانی حقوق میں مساوی ہے۔ جو دنیا میں اور کسی حاکم کو حاصل نہیں۔ وہ اپنے حقوق عدالت کے ذریعہ سے لے سکتا ہے۔ اور اس سے بھی حقوق عدالت کے ذریعہ سے لئے جا سکتے ہیں۔

ششم: عصمتِ صغریٰ

عصمت صغریٰ اسے حاصل ہے۔ یعنی اسے مذہبی مشین کا پرزہ قرار دیا گیا ہے۔ اور وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسی غلطیوں سے اسے بچایا جائے گا۔ جو تباہ کن ہوں اور خاص خطرات میں اس کی پالیسی کی اللہ تعالیٰ

(باقی صفحہ ۱۰ پر دیکھیں)

خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مِٹ نہیں سکتا تصوّر سے وہ نقشِ دلنشیں
وہ مُحبِّ مہدئ آخر زماں وہ نورِ دیں

جس کی ہمّت سے عیاں کون و مکاں کی وسعتیں
وہ خودی کا آسماں وہ عجز و طاعت کی زمیں
چشمہ ہائے علم و حکمت جس کے ہونٹوں سے رواں
جس کے دل میں موجزن تھا ایک دریائے یقیں

طائرِ دل گو رہا خود بے نیازِ آشیاں
لیک یارِ بے مکاں اُس میں رہا ہردم مکیں
شاہ تھے پر فقر سے رکھتے تھے ہمّت کو بلند
ہیچ تھی اُن کی نظر میں رفعتِ چرخِ بریں
عُسر ہو یا یُسر ہو سب خوب تھا اُن کے لئے
حُسنِ رویت کا کرشمہ تھا کہ تھی ہر شے حسیں
بختیار و بے نوا اُن کی نظر میں ایک تھا
کوئی بے مایہ ظفر سا ہو کہ ہو فغفورِ چیں

راجہ نذیر احمد ظفر ربوہ

(سیرت و سوانح)

حضرت مولانا نورالدینؓ اور اطاعتِ امام

(محترم مولوی محمد احمد جلیل صاحب استاذ الجامعۃ الاحمدیہ ربوہ)

حکیم الامت حضرت الحاج مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ ظاہری و باطنی کمالات و فضائل کی جامع شخصیت کے مالک تھے۔ علم و فضل خصوصاً علم قرآن اور احادیثِ نبویہ میں تبحر، علم طب میں مہارت، تقویٰ و طہارت اور زہد و توکل علی اللہ میں بہت بلند مقام، خدمت خلق اور غریب پروری کا شغف، عشق نبویؐ میں مخمور اور اپنے مقتدا و امام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و اطاعت میں سرمست۔ آپ کی بلند سیرت پر جس پہلو سے بھی نظر ڈالی جائے، آپ یگانۂ روزگار دکھائی دیتے ہیں ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا ست

ذیل کی سطور میں آپ کے اطاعتِ امام کے وصف اور اس میں انتہائی بلند مقام پر کسی قدر روشنی ڈالنے کے لئے آپ کی سیرت سے کچھ واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان واقعات کا ماخذ حیات نور مؤلفہ برادرم مرحوم شیخ عبدالقادر صاحب کے علاوہ استاذی المکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے ہیں۔ ملک صاحب مرحوم نوعمری میں ہی حصول تعلیم کیلئے قادیان آ گئے تھے۔ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضری اور آپ کے قرآن و حدیث کے درس سننے کا سالہا سال موقع ملا۔ انہیں حضرت خلیفہ اوّل کے واقعات خوب یاد تھے مضمون کی مناسبت سے ان میں سے چند ایک بیان کرتا ہوں:

حضرت مولانا نورالدین صاحب نامور حاذق طبیب تھے۔ آپ ریاست جموں و کشمیر میں شاہی طبیب رہے۔ وہاں کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ اپنے آبائی وطن بھیرہ آ گئے اور ایک بڑا شفاخانہ کھولنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لئے ایک وسیع عمارت کی تعمیر شروع کر دی۔ تعمیر کے دوران عمارت کا کچھ سامان خریدنے کے لئے آپ لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور سے قادیان قریباً ستر میل کی مسافت پر ہے۔ آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت بھی کر آؤں۔ چنانچہ آپ بذریعہ گاڑی بٹالہ پہنچے۔ اس زمانہ میں قادیان ریل نہیں جاتی تھی۔ یکوں پر یا پیدل سفر کیا جاتا تھا۔ آپ نے آمد و رفت کے لئے واپسی کرایہ پر یکہ لیا تاکہ حضور اقدس سے ملاقات کر کے اسی روز واپس آجائیں۔ جب آپ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اثناء گفتگو حضور نے فرمایا۔ مولوی صاحب اب تو آپ فارغ ہیں۔ اس ارشاد کے بعد آپ نے روانگی کی اجازت مانگنا مناسب نہ سمجھا اور ایک دو روز ٹھہرنے کا

ارادہ کر لیا۔ دوسرے تیسرے روز حضور نے فرمایا۔ مولوی صاحب اکیلے آپ کو تکلیف ہو گی آپ اپنی اہلیہ کو بھی یہاں بلا لیں۔ پھر چند روز کے بعد فرمایا۔ آپ کو کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہے۔ اپنا کتب خانہ بھی منگوا لیں۔ حضرت مولوی صاحب حضور کے ہر ارشاد کی تعمیل کرتے گئے۔ اور یہ ذکر تک نہ کیا کہ میں تو صرف ملنے آیا تھا پیچھے مکان زیر تعمیر چھوڑ آیا ہوں۔ بلکہ بھیرہ خط لکھ دیا کہ فی الحال مکان کی تعمیر روک دی جائے۔ اس کے کچھ دن بعد ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب آپ واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیں اور وطن کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اس پر حضرت مولوی صاحب کو گھبراہٹ ہوئی کہ وطن جانے کا ارادہ ترک کرنا تو میرے اختیار میں ہے۔ اس کا خیال بھی نہ آئے۔ یہ تو میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس ارشاد کی سو فیصد تعمیل کی۔ زیر تعمیر مکان کی تکمیل یا فروخت کا کوئی انتظام کرنا تو کجا۔ آپ اپنے محبوب آقا کے ارشاد کی بجاآوری میں ایسے محو ہوئے کہ اس کے بعد وطن آپ کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا۔

ایک دفعہ بھیرہ کے ایک رئیس نے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ میں بیمار ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ بھیرہ تشریف لا کر مجھے دیکھ جائیں۔ آپ نے اسے جواب دیا کہ میں بھیرہ سے ہجرت کر چکا ہوں اب حضرت مسیح موعودؑ کی اجازت کے بغیر میں کہیں نہیں جا سکتا۔ اس پر اس رئیس نے حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کی۔ حضور نے فرمایا کہ آپ بھیرہ جا کر اسے دیکھ آئیں۔ چنانچہ آپ بھیرہ تشریف لے گئے۔ اس رئیس کا مکان شہر کے بیرونی حصہ میں تھا۔ آپ نے اسے دیکھا اور نسخہ تجویز فرما کر قادیان واپس آ گئے۔ نہ اپنے گھر گئے اور نہ کسی دوست عزیز سے ملے۔ بلکہ جس غرض کے لئے حضور علیہ السلام نے آپ کو بھیجا تھا اسے پورا کر کے فوراً واپس آ گئے۔

راولپنڈی کے ایک امیر آدمی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے درخواست کی کہ میرا ایک عزیز بیمار ہے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب کو اجازت دیں کہ اس کے علاج کے لئے راولپنڈی تشریف لے جائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

"ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مولوی صاحب کو یہ بھی کہہ دیں کہ آگ میں گھس جاؤ۔ یا پانی میں کود جاؤ تو ان کو عذر نہیں ہو گا۔ لیکن ہمیں بھی تو مولوی صاحب کے آرام کا خیال چاہیئے۔"

(حیات نور صفحہ ۱۸۶ و صفحہ ۱۸۸)

حضرت مولوی صاحب حضور علیہ السلام کے اسی فقرہ کو فخر سے بیان کیا کرتے اور اس پر بہت خوشی کا اظہار کرتے کہ میرے آقا نے مجھ پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے کہ اگر مجھے آگ میں گھس جانے یا پانی میں کود جانے کا حکم دیں تو میں انکار نہیں کرونگا۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی تشریف لے گئے اور وہاں سے تار کے ذریعہ حضرت مولوی صاحب کو بلوایا۔ آپ اپنے مطب میں تشریف

رکھتے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے آکر اطلاع دی کہ حضور علیہ السلام کی تار آئی ہے حضور نے آپ کو یاد فرمایا۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ مجھے تار کے الفاظ بتاؤ۔ اس میں IMMEDIATE کا لفظ تھا۔ جس کے معنے "فوراً" کے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب فوراً کا لفظ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ رخت سفر یا خرچ لئے بغیر اور گھر والوں کو اطلاع دیئے بغیر فوراً بٹالہ روانہ ہوگئے۔ آپ کے لئے بستر وغیرہ سامان بعد میں پیچھے سے پہنچایا گیا۔ (حیات نور صفحہ ۲۸۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب جماعت کی تعداد خاصی بڑھ گئی تو حضور نے قابل شادی لڑکے لڑکیوں کی ایک رجسٹر میں فہرست تیار کروائی۔ تا کہ احمدیوں کے رشتے آپس میں کروائے جایا کریں۔ یہ رجسٹر حضور علیہ السّلام کے پاس رہتا۔ ایک مرتبہ حضور نے ایک احمدی دوست کی لڑکی سے رشتہ تجویز فرمایا تو وہ راضی نہ ہوئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو اپنی طرف سے مناسب رشتہ تجویز کیا تھا۔ لیکن انہیں پسند نہیں آیا۔ اس کے بعد حضور نے رشتہ ناطہ کے اس انتظام کو ترک کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ کام ہمارے بس کا نہیں۔ اس بات کا ذکر حضرت مولوی صاحب سے ہوا تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ اس وقت آپ اپنے مطب میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کی خورد سال صاحبزادی امۃ الحی پاس ہی کھیل رہی تھیں۔ اتفاق سے نہالہ نامی ایک غاکروب لڑکا جو آپ کے گھروں میں صفائی کرتا تھا وہاں سے گذرا۔ وہ سیاہ فام ہونے کے ساتھ بدصورت بھی تھا۔ آپ نے اسی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر حضرت صاحب مجھے فرمائیں کہ امۃ الحیٰ کا رشتہ نہالے کو دے دو تو میں بلا تأمل اسے دے دوں۔ (حیات نور صفحہ ۱۸۹)

آپ کی یہ بات دلی محبت کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ وہی لڑکی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہو بنی اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئی۔

یہ واقعات حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی اطاعت امام کے بلند مقام کی چند جھلکیاں ہیں۔ آپ کی پوری زندگی خلوص و اطاعت کا مرقع تھی جس کی تہ میں عشق و محبت کا جذبہ کارفرما تھا۔ اگر اطاعت کا موجب خوف نہ ہو بلکہ اخلاص و محبت ہو تو طبعاً انسان کے ہر حرکت و سکون اور اس کے خیالات و جذبات پر حاوی ہوتی ہے اور کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اس میں فرق نہیں آتا۔ لیکن اطاعت کا محرک صرف ڈر اور خوف کا احساس ہو تو خوف کے اسباب دور ہو جانے پر ایسی اطاعت بھی برقرار نہیں رہتی۔ حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے جذبۂ اطاعت کا سرچشمہ عشق و محبت تھا۔ چنانچہ آپ اپنی خلافت کے زمانہ میں بسا اوقات فرمایا کرتے تھے۔

"نورالدین کا یہاں ایک معشوق ہوتا تھا
جسے مرزا کہتے تھے۔ نورالدین اس کے پیچھے
یوں دیوانہ وار پھرا کرتا تھا کہ اسے اپنے
جوتے اور پگڑی کا بھی ہوش نہیں ہوتا

کرتا تھا۔" (حیات نور صفحہ ۱۸۹)

آپ کی اس پُرخلوص اطاعت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۸۵ میں فرماتے ہیں:۔

"وہ ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے اور اطاعتِ امام میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

بقیہ از صفحہ ۵ خلافت راشدہ کے سات امتیازات

تائید کرے گا اور اسے دشمنوں پر فتح دے گا گویا وہ مؤید من اللہ ہے اور دوسرا کسی قسم کا حاکم اس میں اس کا شریک نہیں۔

ہفتم:

وہ سیاسیات سے بالا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا کسی پارٹی سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے لئے کسی پارٹی میں شامل ہونا یا اس کی طرف مائل ہونا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔ یعنی جب ایسے شخص کا انتخاب ہو تو اسی کا فرض ہے کہ وہ کامل انصاف سے فیصلہ کرے۔ کسی ایک طرف خواہ شخصی ہو یا قومی ہو نہ جھکے۔"

(الفرقان مئی ۱۹۶۷ء صفحہ ۶)

بقیہ از صفحہ ۱۶ پروفیسر عبدالسلام کا خطاب

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ۔ (سورۃ الملک)

ترجمہ: تو رحمٰن (خدا) کی پیدائش میں کوئی رخنہ نہیں دیکھتا۔ اور تو اپنی آنکھ کو ادھر اُدھر پھیر کر اچھی طرح سے دیکھ لے! کیا تجھے خدا کی مخلوق میں کسی جگہ بھی کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نظر کو چکر دے وہ آخر تیری طرف ناکام ہو کر لوٹ آئے گی۔ اور وہ تھکی ہوئی ہو گی اور کوئی رخنہ نظر نہ آئے گا۔

یہ سورۃ الملک کی آیات ہیں جو کہ میں نے کانسرٹ ہال میں پڑھیں۔ جہاں ڈھائی ہزار لوگ مدعو تھے۔ مجھ سے کہا گیا میں فزکس والوں کی طرف سے BANAVAT ADRESS جو کہ شاہ سویڈن نے کیا تھا، کا جواب دوں۔ چنانچہ اس کے جواب میں میں نے قرآن پاک کی ان آیات کی تلاوت کی۔

ہمارا بطور مسلمان یہ مذہب ہے اور یہی بنیادی مذہب تقریباً تمام طبیعات دانوں کا ہے وہ اسے قرآن کریم کی طرف لے جائیں یا نہ لے جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کسی قسم کا کوئی رخنہ (INPERFECTION) نہیں اور وحدانیت پر قائم ہے اور اس جستجو میں وہ سب کوشاں ہیں۔

میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اور دعا کی ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں۔

جماعت احمدیہ کی اکسٹھویں مجلس مشاورت کے آخری روز سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جماعت کی تعلیمی ترقی کے بارہ میں ولولہ انگیز تاریخی خطاب فرمایا۔ اس خطاب کے بعض فرمودات ہدیۂ قارئین ہیں۔ ——————(ادارہ)

آئندہ دس برس میں جماعت کا ہر فرد اپنی عمر کے مطابق قرآن کریم کی تعلیم سیکھے

ہر احمدی بچہ جو کسی بھی جماعت کا امتحان دے مجھے ضرور خط لکھے

جماعت کے سارے بچے اگر میٹرک پاس ہو جائیں تو اگلی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا

قرآن کریم سیکھنے کا ارشاد اور مجلس خدام الاحمدیہ کی کارکردگی پہ حضور کا اظہار خوشنودی

"آئندہ دس برس کے اندر جماعت کا ہر فرد اپنی عمر کے مطابق قرآن کریم کی تعلیم سیکھے مجلس خدام الاحمدیہ نے یہ کام شروع کر دیا ہے۔ اس کی رپورٹ مجھے پہنچ چکی ہے۔ ان کو اَور کوشش کرنی چاہیئے اور دُعا کرنی چاہیئے کہ یہ عزم اور ارادہ کہ دس سال کے اندر ہر فرد جماعت کا قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر چکا ہو۔ پورا ہو جائے...... خدام الاحمدیہ کی رپورٹ اچھی ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں اس کام کو احسن انجام تک پہنچانے کی توفیق عطا کرے۔"

"قرآن کریم ناظرہ جان لینے کے بعد اس کا ترجمہ آنا چاہیئے۔ پھر کچھ تفسیر آنی چاہیئے۔ ہر سال تفسیر سیکھنے میں تھوڑی بہت ترقی ہونی چاہیئے۔ انسان اپنی زندگی میں تھوڑی بہت تفسیر سیکھتا رہے کہ یہاں تک کہ موت آجائے۔ خدا کرے کہ ہر احمدی کو ساری عمر قرآن کریم کا علم حاصل کرنے کی توفیق ملتی رہے۔"

"ہر گھر میں تفسیر صغیر کا ہونا ضروری ہے۔"

کتب کلب: "چونکہ ہر احمدی بیک وقت تفسیر کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے جماعتی تنظیموں کو اپنے طور پہ کتب خریدنے کا ایک کلب بنا لینا چاہیئے۔ ہر ممبر اس کلب میں بالاقساط رقم ادا کرے۔ اس سے ان اقساط کا مطالبہ کرنے کے لئے کوئی جائے گا نہیں۔ وہ خود ہی ہر ماہ یہ قسط ادا کرتا رہے۔ جو روپیہ جمع ہو اس سے بنیادی کتب خرید لی جائیں۔" "یہ ضروری ہے کہ ساری تنظیمیں اس بات کا خیال رکھیں کہ ایک گھر میں ایک ہی دستہ سے کتاب جائے۔ مثلاً خدام الاحمدیہ اپنے ایک خادم کو تفسیر صغیر دیدے تو دوسری تنظیموں کو اس گھر میں تفسیر دینے کی ضرورت نہیں۔"

حضرت مسیح موعودؑ کی تفاسیر: سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تفسیر کی بعض جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ جلد بجلد ترتیب وار ہر گھر میں پہنچنی ضروری ہیں۔

جماعت کے ہر بچہ سے وعدہ: "جماعت کا ہر بچہ جو اس سال کسی امتحان میں کامیاب ہو وہ مجھے خط لکھے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس کے لئے خاص طور پر دعا کروں گا۔"

پاس ہونے والے طلباء کیلئے انعامات: حضرت مسیح موعودؑ کی ایک کتاب: "ہر احمدی طالب علم جو ضلعی محکمہ تعلیم کا امتحان یعنی پرائمری (دالیہ کا امتحان) اور مڈل پاس کرتا ہے اور اوپر کے تین سو طلباء میں اس کا نام آجاتا ہے وہ مجھے خط لکھے اور بتائے کہ میں اوپر کے تین سو طلباء میں آگیا ہوں تو میں اسے اپنے دستخطوں سے جواب بھیجوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی کتاب کوئی دعائیہ فقرہ لکھ کر اور اپنے دستخط کر کے دونگا۔ چاہے وہ دس لاکھ کیوں نہ ہوں"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفاسیر میں سے ایک جلد: "میٹرک کے امتحان میں ہر بورڈ میں اوپر کے دو سو طلباء میں آجانے والے احمدی طالب علم کو اگر وہ مجھے خط لکھے تو میں اپنے دستخطوں سے صرف اسے جواب نہیں دونگا بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر کی شائع شدہ پانچ جلدوں میں سے کوئی جلد میرے دستخطوں سے اس کی ذہنی قابلیت کی قدر کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے گی۔" "پاکستان کے ہر بورڈ آف ایجوکیشن کے انٹرمیڈیٹ امتحان اور یونیورسٹی کے پہلے امتحان (بی اے، بی ایس سی وغیرہ) میں اوپر کے دو سو طلباء میں آجانیوالے احمدی طالب علم سے بھی یہی پیار کا سلوک کیا جائیگا۔"

تفسیر صغیر یا انگریزی تفسیر القرآن: "ایم اے، ایم ایس سی (ہر مضمون میں) میڈیکل اور انجینئرنگ وغیرہ کے امتحانات میں اوپر کے ستّر طلباء میں آنے والے طالب علم کو خط کے جواب کے علاوہ تفسیر صغیر یا انگریزی تفسیر القرآن (ملک غلام فرید صاحب والی) دستخط کر کے دعائیہ فقرہ کے ساتھ بھیجوں گا۔"

نمائندگان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "آپ اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ جماعت کا ہر بچہ جو پہلی جماعت سے لے کر آخری جماعت تک کا امتحان دے۔ ایسا نہ رہے کہ اس نے مجھے خط نہ لکھا ہو۔ کیونکہ اسی کی بناء پر ہم نے منصوبہ تیار کرنا ہے۔"

انقلاب عظیم: "اگلے دس سال میں جماعت کا سکول کی عمر کا کوئی ایسا بچہ نہیں ہونا چاہیئے جو میٹرک کا امتحان پاس کرنے سے پہلے پڑھائی چھوڑ دے۔ اگر آپ کوشش کر کے جماعت کے سارے بچوں کو میٹرک کروا دیں تو آپ کی دنیا میں بھی ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گا۔ جماعت کا ہر لڑکا کم از کم میٹرک پاس کرے اور جماعت کی ہر لڑکی کم از کم مڈل کا امتحان پاس کرے۔ ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ دس سال میں جماعت کی ساری لڑکیوں کو بھی میٹرک تک پہنچانا ممکن ہو جائے۔" "یہ سکیم صرف پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کیلئے ہے۔ دوسرے ممالک کیلئے میں جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کروں گا۔" (تلخیص از الفضل)

پروفیسر عبدالسلام کا خطاب

مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو مسجد مبارک ربوہ میں محترم پروفیسر عبدالسلام صاحب نے عالمگیر زبانوں کے سالانہ اجلاس سے قبل حاضرین سے خطاب فرمایا۔ وہ خطاب محترم بشیر احمد تارڑ صاحب اور جناب خالد محمود صاحب کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے۔ فجزاھما اللہ خیرالجزاء ۔۔۔۔ (ادارہ)

"معزز دوستو! میں آپ کو طبیعیات کے مختلف نظریوں کے متعلق کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ابتدا میں ماہرین طبیعیات کا ذکر کروں گا۔ سب سے پہلے البیرونی آتے ہیں جو پندرھویں صدی عیسوی میں غزنی میں اس میدان میں تحقیق کا کام کرتے تھے، ہندوستان بھی تشریف لائے، وہ سلطان محمود کے دربار میں تھے۔ آپ پر ۲۵ سال تک فتویٰ تکفیر لگا رہا، ان کے استاد عبدالصمد کو بھی اسی جرم میں قتل کیا گیا۔

اس کے بعد ابن الہیثم دوسرے سائنسدان تھے۔ وہ بصرہ میں پیدا ہوئے اور مصر چلے آئے۔ یہاں انہوں نے خلیفہ کو آمادہ کیا کہ مصر کی آبپاشی کے لئے ایک بند بنایا جائے اور وہ بند اس جگہ ہو جہاں اسوان ڈیم واقع ہے گویا اسوان ڈیم کا خیال سب سے پہلے انہیں آیا

ابن الہیثم نے ڈیم بنانے کا ارادہ تو کیا لیکن ان سے بن نہ پایا۔ کیونکہ اس وقت کی ٹیکنالوجی ابھی اتنی ترقی یافتہ نہ تھی کہ اس چیز کو پورا کر سکتی۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ ابن الہیثم نے بچاؤ کی خاطر خود پر دیوانگی طاری کر لی۔ اور وہ ۲۳ سال تک خلیفہ کی قید میں بطور ایک دیوانہ کے رہے۔ لیکن جس دن خلیفہ کی موت واقع ہوئی تو وہ تندرست تھے۔ اس کے بعد انہوں نے نور (OPTICS) کے مضمون پر کتابیں لکھیں جس کی وجہ سے انہیں یورپ میں اسلام کا سب سے بڑا ماہر طبیعیات سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بعد الخزینی ہیں جو مرگہ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲۱ء ان کا زمانہ ہے۔

اب میں کشش ثقل کا ذکر کروں گا۔ سب سے پہلے کشش ثقل کے بارے میں نظریہ قائم کرنے والوں میں الخزینی تھے۔ اس کے بعد قطب الدین شیرازی اور کمال الدین فارسی جو کہ تیرھویں صدی میں ہو گزرے ہیں۔ بہت بڑے مسلمان سائنس دان تھے۔ تیرھویں صدی کے بعد ہمیں کم از کم طبیعیات میں کام کرنے والا کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں

میں یہ ترقی ختم ہو گئی۔

نظریات وحدت

اس سلسلے میں مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا ۱۹۳۹ء میں جھنگ سکول میں داخل ہوا، تو اس وقت ہمارے استاد نے ہمیں بتایا کہ کشش ثقل ایک طاقت ہے جسے انگریزی میں GRAVITY کہتے ہیں۔ اور دوسری کے بارے میں بتایا کہ یہ مقناطیسی قوت ہے اور تیسری قوت کو بجلی کی قوت کہتے ہیں اور ایک قوت جسے ہم نیوکلیر فورس NUCLLAR FORCE کہتے ہیں اس وقت تک دریافت نہ ہوئی تھی۔ کم از کم ہمارے ہاں اس کا ذکر نہ تھا۔ ویسے یورپ میں اس کی دریافت ہو چکی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہمارے استاد نے ایک کشش کا ذکر کیا تھا۔ اسے کشش عنادی کہتے ہیں۔ جس سے پانی، پانی کی نلیوں میں چڑھ جاتا ہے۔ آجکل ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قوت کوئی بنیادی قوت نہیں بلکہ بجلی کی قوت کا کرشمہ ہے۔ اس وقت مجھے خیال آتا کہ یہ کیا جرم ہے کہ ہمارے استاد اس کشش کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ اب مجھے بعد میں سمجھ آیا کہ ایسا بو علی سینا کی وجہ سے تھا جو کہ بیک وقت طبیعات دان (PHYSIEIST) اور طبیب (PHYSICIAN) بھی تھے۔ اور ایک طبیب کے نزدیک وہ کشش جو کہ خون کو نالیوں میں دوڑاتی ہے سب سے اہم کشش ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کا اندازہ کشش ثقل کے برابر کیا۔ حالانکہ آج ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ بجلی کی قوت کا نہایت ادنیٰ سا کرشمہ ہے۔

سب سے پہلے جس شخص نے وحدت کا اندازہ کیا وہ البیرونی تھے۔ اس کے بعد گیلیلیو جو کہ اٹلی میں پیدا ہوئے، انہوں نے قانون بنایا کہ طبعیات کے قوانین ساری کائنات میں ایک سے رہے ہیں۔ بعدازاں گیلیلیو نے اس کا تجربہ کیا۔ وہ تجربہ یہ تھا کہ انہوں نے پہلی دوربین بنائی اور اس دوربین کے ذریعے انہوں نے چاند پر پہاڑ دیکھے اور ان پہاڑوں کا سایہ دیکھا۔ حتیٰ کہ سایہ کی سمت بھی۔ انہوں نے مزید معلوم کیا کہ جس طرف سایہ پڑتا ہے، اور جدھر سے شعاعیں آرہی ہیں کیا ان کے درمیان کوئی مطابقت ہے؟۔

جس طرح زمین پر سایہ اس طرف سے پڑتا ہے۔ جدھر سے شعاعیں نہیں آرہی ہوتیں اسی طرح انہوں نے چاند پر پہاڑوں کی پوزیشن معلوم کی اور دریافت کیا کہ سایہ کے قوانین زمین اور چاند پر ایک سے ہیں یہ سائنس کا پہلا عملی تجربہ تھا، جس سے معلوم ہوا کہ سائنس زمین اور چاند پر مختلف نہیں۔ سو یہ پہلی وحدت تھی جسے البیرونی نے پیش کیا اور گیلیلیو نے دوربین سے ثابت کر دیا۔

اس کے بعد NEWTON ہوئے۔ نیوٹن اسی سال پیدا ہوئے جس سال گیلیلیو کی وفات ہوئی نیوٹن نے دو قوتوں کو مجتمع کر دیا۔ یہ قوتیں کشش ثقل

اور تجاذب کی تھیں سو یہ ان کا بہت بڑا کمال اور
اعجاز تھا کہ دو مختلف قوتوں کو یکجا کر دیا اور
سیاروں اور سورج کے درمیان مدوجزر کے مظاہرہ کو
اسی کشش ثقل کے ذریعے واضح کیا۔ جیسا کہ زمین
پہ الغزیتی نے کیا تھا۔

تیسری وحدت AMPERE اور FARADAY
نے انیسویں (19) صدی میں ثابت کی۔ انہوں نے دیکھا کہ
مقناطیسی قوت اور برقی قوت ایک ہی قوت کا
کرشمہ ہیں۔ آجکل دسویں جماعت کا ایک طالب علم
بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر ایک مقناطیس کو ہم
کوائل (COIL) میں ہلائیں تو کوائل میں بجلی
کی رَو پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دونوں قوتیں ایک
ہی قوت کا کرشمہ ہیں AMPERE اور FARADY
کے اس نظریہ کو MAXWELL نے آگے بڑھایا
جن کی وفات آج سے ۱۰۰ سال پہلے ہوئی۔ انہوں
نے دیکھا کہ اگر ہم الیکٹرک چارجز کو OSCILLATE
کریں تو ان میں سے ELECTOMAGNETIC
WAVES پیدا ہوتی ہیں اور یہ لہریں X-RAYS
ریڈیو ویوز یا لائٹ وغیرہ ہیں۔ یہ ساری لہریں
ایک ہی قوت کا کرشمہ ہیں اور یہی وہ قوت ہے جس
میں مقناطیس اور بجلی کی قوت کا اجتماع ہے..... تو
گویا مختلف قسم کے نظریات سائنس کی دنیا میں اکٹھے
ہوتے چلے گئے۔ اس سلسلہ میں میرے اساتذہ جنہیں
۱۹۳۳ء کا نوبل پرائز بھی ملا۔ انہوں نے یہ ثابت
کیا کہ یہ مادی طاقت بھی اصل میں بجلی کی طاقت ہے۔

چنانچہ کیمیاوی طاقت کو بھی بجلی کی طاقت کے ساتھ
انطباق حاصل ہے۔ اس طریقہ پر مقناطیسی قوت
بجلی کی قوت، کیمیاوی قوت، ایٹم والی قوت۔ آتشی
قوت اور X-RAY یہ سب ایک قوت میں مجتمع
ہوگئیں اور وحدت کا نقشہ پیش ہوا۔

۱۹۳۰ء کے قریب NUCLEAR FORCE
کی دریافت سے پہلے یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ صرف
دو قوتیں ہیں ایک کشش ثقل اور دوسری بجلی کی
قوت جن میں یہ سب قوتیں کرشمہ کے طور پر مجتمع
ہیں۔ اس کے بعد ۱۹۳۰ء میں جب NUCLEAR
FORCE دریافت ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم
کی ہوتی ہے۔ ایک ضعیف نیوکلیر فورس اور دوسری
طاقتور نیوکلیر فورس۔ ضعیف نیوکلیر فورس کے
ذریعے ریڈیم پھٹتا ہے اور مضبوط نیوکلیر فورس
کے ذریعے FUSION و FISSION (انشقاق)
(ائتلاف) اور ریکٹر کا عمل ہوتے ہیں۔ اس کے
علاوہ ستاروں اور سیاروں کی قوت کا پیدا ہونا
یہ سب کچھ مضبوط نیوکلیر قوت کی وجہ سے ہوتا ہے
چنانچہ ۱۹۳۰ء کے قریب ایک ماہر طبیعات کا
خیال تھا کہ چار قوتوں میں کشش ثقل، بجلی کی قوت،
کیمیاوی، آتشی اور دو ذراتی قوتیں ضعیف
نیوکلیر فورس اور مضبوط نیوکلیر فورس ہیں۔

ہمارا یہ نظریہ ہے کہ بجلی کی قوت اور ضعیف
ذراتی قوت بھی ایک ہیں۔ یہ نظریہ پہلے ۱۹۵۷ء
میں پیش کیا گیا۔ اس کے بعد اس نظریہ کو REFINE

کیا گیا اور اس کی آخری شکل ۱۹۶۷ء میں پیش
کی گئی۔ اور اس کے بعد اس پر تجربات شروع ہوئے
یہ تجربات ۱۹۷۳ء میں پہلی بار مکمل ہوئے۔ ان
تجربات کو کرنے کے لئے جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ
یہ دکھانے کے لئے بجلی کی قوت اور مقناطیسی قوت
ایک چیز ہیں۔ آپ کو ایک کوائل لینا پڑتا ہے۔
مگر ہمارے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ایک
نہایت زبردست ACCELERATOR بنانا پڑے
گا یہ مقناطیس کا چھلا (RING) ہے جس کا قطر
نصف میل کے برابر ہوگا۔ اس میں یہ ذرات دوڑتے
ہیں انہیں بجلی اور MAGNETIC FIELD
کے ذریعے زبردست طاقت دی جاتی ہے۔ یہ ذرات
آپس میں ٹکراتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ ثابت کیا جا سکتا
ہے کہ نظریہ درست ہے یا نہیں۔ ان تجربات کی بناء
پر جو ۱۹۷۳ء میں شروع ہوئے ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۶ء
اور ۱۹۷۷ء تک یہ تجربات کئے گئے اور خصوصیت
سے ۱۹۷۸ء کا تجربہ بہت اہم تھا جس سے یہ ثابت
ہوا کہ بجلی کی قوت اور ضعیف ذراتی قوت ایک
ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چار سے تین،
تین سے دو اور کیا دو سے ایک قوت بھی ثابت
ہو سکتی ہے؟ پھر اس وقت فزکس دانوں کے
سامنے جو سوال ہے وہ یہ ہے کہ بجلی والی قوت
جسے ضعیف ذراتی قوت کا ایک کرشمہ کہا گیا ہے
کیا اسی طرح مضبوط ذراتی قوت ان دونوں کے
ساتھ متحد (UNITY) ہو سکتی ہے یا نہیں؟

چنانچہ دو ہفتے ہوئے ان تجربات کا بھی آغاز ہو
گیا ہے۔ یہ تجربات ایک میل گہری زمین دوز کان
میں ہوں گے اس میں دس ہزار ٹن پانی رکھا جائے
گا اور اس دس ہزار ٹن پانی کو مختلف قسم کے
LIGHT GATHERING یعنی روشنی
اکٹھی کرنے والے APPARATUS سے اکٹھا
کیا جائے گا، اس کے ساتھ خاص قسم کے کیمرے
رکھے جائیں گے۔ اگر ہمارا نظریہ درست ثابت
ہوا تو ایک سال میں ایک شعاع پیدا ہوگی جس
کی تصویر لے لی جائے گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ
ثابت ہو جائے گا کہ تینوں قوتیں بھی دراصل دو
قوتیں ہیں۔ بجلی والی قوت، ضعیف اور مضبوط
ذراتی قوت ایک ہی قوت کا کرشمہ ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ تجربات اب
شروع ہوئے ہیں۔ آپ سب سے دعا کی درخواست
ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔

اس کے بعد آخری سوال ہوگا کہ کیا اس قوت
کے ساتھ قوت ثقل کو بھی جمع کیا جا سکتا ہے اور یہ
غالباً آخری سوال ہوگا فزکس والوں کے لئے اور
میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عاجز کی مدد
کرے۔ اس مشکل سوال میں شاید ۲۵ سال لگ
جائیں۔

مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ
مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ
هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ

(باقی صفحہ ۱۰ پر دیکھیں)

جناب مسعود احمد خان دہلوی کے قلم سے

اردو کو پروان چڑھانے والی گود

اردو ادب کی تاریخ پر نگاہ رکھنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مغلیہ دور میں اردو نے دلّی کی ادب نواز فضا میں پروان چڑھ کر یکسر ایک نیا روپ اختیار کیا۔ وہ روپ اسی دور کی مناسبت سے زبان و بیان کے ایک مسلّم و مقبول حسنِ دلربا کا آئینہ دار تھا۔ دلّی والے زبان کے اِس نئے روپ اور اس کی رنگینی و رعنائی اور دل آویزی پر سو جان سے فدا تھے۔ جو زبان وہ بولتے اور لکھتے تھے۔ اور جس انداز میں اظہارِ خیال کے عادی تھے اُسے ہی وہ اصل اردو گردانتے تھے اور اس میں غیروں کے تصرف کے قطعاً روادار نہ تھے۔ اسی لئے داغ نے کہا تھا ؎

یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے
اہلِ دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا

مستند اہلِ زبان خاص ہیں دلّی والے
اس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا

جوہری نقدِ سخن کے ہیں پرکھنے والے
ع وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا

اردو کے نئے روپ کو نکھارنے میں خواتین کا حصّہ

اِس تعلق میں جو بات میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اردو کے اِس نئے روپ کو نکھارنے اور اسے نئی دل آویزیوں سے ہمکنار کرنے میں دلّی والوں نے ہی نہیں بلکہ دلّی والیوں نے بھی بہت بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ حق یہ ہے کہ انہوں نے نئے الفاظ، نئی ترکیبیں، نئی اصطلاحیں، نئے محاورے، نئی کہاوتیں اور بے ساختہ اظہارِ خیال کے نئے اسلوب وضع کرنے میں کمال کر دکھایا۔ انہوں نے ایسی ایسی جدّت طرازیوں اور خیال آفرینیوں سے کام لیا کہ زبان و بیان کا روپ نکھرتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح عرب میں بدوؤں کی زبان مستند شمار ہوتی تھی اسی طرح دلّی میں زبان و بیان کے انداز نیز موقع و محل کے مناسبِ حال محاورات کے استعمال میں عورتوں کو سند کا درجہ حاصل تھا۔ وہ گویا ہوتیں منہ سے پھول جھڑتے، باتیں کرتیں، زر و جواہر لٹاتیں۔ شاعر، ادیب، اور انشاء پرداز یہ پھول چُن کے اور جواہر سے اپنے دامن بھر کے اپنی نگارشات کو ان سے مزیّن کرتے۔ زبان دانی میں فرخندہ حال ایسی ہی خواتینِ باکمال کی گودوں میں پل بڑھ کر جوان ہونے والے جنہیں اوّل دن سے زبان دانی کی گھٹی ملی تھی آسمانِ ادب

کے درخشندہ ستارے بنے۔ انہوں نے وہ نام پیدا کیا کہ رہتی دُنیا تک ان کا نام اور کام زندہ رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خواتین با تمکین کی گود ہی وہ اوّلین درس گاہ تھی جس کے فارغ التحصیل زبان و بیان کے مسلم الثبوت اساتذہ شمار ہوئے۔

آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ داغ جیسا زبان دان، بلبلِ ہندوستان یعنی شاعرِ شیریں بیان جس کی زبان ملک بھر میں سند مانی جاتی تھی اور جس کے اندازِ بیان پر ایک دُنیا سر دھنتی تھی خود عورتوں سے اصلاح لینے پر مجبور تھا، اُن کے اصلاح لینے کا ایک واقعہ اُن کے نامور شاگرد جناب بیخود دہلوی نے میرے والد کو سنایا تھا۔ اُن سے سُن کر میں آپ کو سناتا ہوں۔

ایک دن کی بات ہے استاد داغ اپنے دیوان خانہ میں بیٹھے شعر کہہ رہے تھے۔ بیخود بھی وہاں موجود تھے۔ استاد کی زبان پر ایک مصرعہ آیا۔ جب وہ اسے کاغذ پر لکھنے لگے تو ذرا ٹھٹھکے اور اسی کشمکش و پیچ میں پڑ گئے کہ موقع اور محل کی مناسبت سے محاورۂ زبان درست ہے یا نہیں۔ لکھنے سے پہلے شاگرد سے مخاطب ہو کر بولے ارے بیخود! ذرا زنان خانہ میں جا کر اپنی استانی جی سے پُوچھ یہ مصرعہ زبان کے اعتبار سے درست ہے یا نہیں۔ مصرعہ یہ تھا ؎

گھر کے گھر میں ہی فیصلہ ہو جائے

بیخود نے زنان خانہ کی ڈیوڑھی میں جا کر دروازہ پر دستک دی اور سلام عرض کرنے کے بعد استانی جی سے پوچھا کہ کیا یہ مصرعہ یعنی "گھر کے گھر میں ہی فیصلہ ہو جائے" محاورۂ زبان کی رو سے درست ہے؟ استانی جی نے فرمایا ــــ "ہئے ہئے یہ کس کا مصرعہ ہے" ــــ بیخود نے عرض کیا مصرعہ تو استاد کا اپنا ہے۔ ان کے دل میں یونہی وہم پڑ گیا ہے کہ کہیں زبان کے اعتبار سے درست نہ ہو۔ استانی جی نے فرمایا تمہارے استاد بڑے زبان دان بنے پھرتے ہیں، برسوں قلعہ معلّٰی میں رہے لیکن وہاں بھی بھاڑ ہی جھونکا، ان سے زیادہ فصیح زبان تو دلّی کی حلال خوریاں بولتی ہیں۔ ان سے کہنا محاورۂ زبان کے اعتبار سے مصرعہ یوں ہونا چاہیئے۔

گھر کا گھر ہی میں فیصلہ ہو جائے

مراد یہ کہ گھر کے جھگڑے کا گھر ہی میں فیصلہ ہونا مناسب ہے۔ اگر گھر کے عقدے غیروں کے سامنے کھولے تو رسوائی اور جگ ہنسائی کے سوا اور کیا ہاتھ آئے گا۔ ظاہر ہے یہ مفہوم "گھر کے گھر میں ہی فیصلہ ہو جائے" سے ادا نہیں ہوتا۔

اور یہ تو میرے بچپن کا چشم دید واقعہ ہے کہ والد صاحب نے ایک دن گھر میں کہانی لکھنے کی غرض سے قلم اٹھایا۔ ابھی چند فقرے ہی لکھے تھے کہ والدہ کو پڑھ کر سُنائے اور پوچھا زبان میں کوئی فیہ تو نہیں؟ والد صاحب کو جب محاورۂ زبان کے بارہ میں پورا اطمینان نہ ہوتا تو والدہ کو سُنا کر تسلی کر لیتے۔ اُس روز بھی ایسا ہی ہُوا۔ کہانی کے سرآغاز یہ

فقرہ تھا :-

" دنیا تو کہا ہی کرتی ہے، پہلے کسی نے
اس کی زبان پکڑی ہے جو اب کوئی پکڑے۔
کہنے والے لاکھ کہیں کہ خیلہ کی حق تلفی
کا جوابدہ جلیل ہے ہم تو خدا لگتی کہیں
گے "

والد صاحب نے ابھی فقرہ پورا ہی کیا تھا کہ والدہ نے فوراً ٹوکا اور کہا اگر یہی مفہوم ادا کرنا ہے تو کہانی کا آغاز محاورہ سے کیجئے۔ سر آغاز ہی یہ طویل بیانی ــــ " دنیا تو کہا کرتی ہے پہلے کس نے اس کی زبان پکڑی ہے جو اب کوئی پکڑے "ــــ بات کا مزہ کرکرا کئے دے رہی ہے۔ یہ سارا مفہوم ایک چھوٹے سے محاورہ میں بڑی ہی خوبصورتی سے سمویا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ " خلق کہنے کو بہاؤ بہنے کو " ــــ " پھر کہنے والے لاکھ کہیں " کے بعد " کہ " کا لفظ سلاست کا ستیاناس پیٹ رہا ہے، اسے حذف کر دیجئے۔ والد صاحب نے فوراً اصلاح قبول کرتے ہوئے کہانی کا آغاز اس محاورہ سے ہی کیا۔ چنانچہ اب فقرہ یوں ہو گیا :-

" خلق کہنے کو، بہاؤ بہنے کو، کہنے والے
لاکھ کہیں خیلہ کی حق تلفی کا جوابدہ
جلیل ہے، ہم تو خدا لگتی کہیں گے "

ان دو مثالوں سے واضح ہو سکتا ہے کہ دہلی میں عورتیں خواہ وہ تعلیم یافتہ تھیں یا محض ناخواندہ دلی کی ٹکسالی زبان پر پورا عبور رکھتی تھیں اور اس بارہ میں انہیں سند کا درجہ حاصل تھا۔

محاورات کے برمحل استعمال کی چند دلچسپ مثالیں

دلّی والیوں نے ایسے ایسے محاورے اور کہاوتیں وضع کر رکھی تھیں کہ جن کے برمحل استعمال سے بات میں جان پڑ جاتی تھی۔ بالعموم ان محاوروں اور کہاوتوں کو عورتیں ہی استعمال کرتی تھیں۔ میں نے اپنے بچپن میں جبکہ پچھلے وقتوں کی یادگار خاندان کی بڑی بوڑھیاں ابھی زندہ تھیں گفتگو کے دوران ان کی زبان سے لاتعداد محاورے اور کہاوتیں سنیں لیکن افسوس اپنی بے شعوری کی وجہ سے انہیں یاد نہ رکھ سکا۔ تاہم گنتی کے چند محاورے اور کہاوتیں یاد رہ گئیں۔ انہیں محل استعمال کے ساتھ بیان کرتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر محاورے یا کہاوت کی اہمیت اور خوبصورتی پورے طور پر واضح نہ ہو سکے گی۔

(۱) میری نانی اماں کے پاس محلہ کی بچیاں قرآن مجید پڑھنے آیا کرتی تھیں۔ ان کا سارا وقت بچوں کو قرآن پڑھانے میں ہی گزرتا تھا۔ بچیاں جب شرارتیں کرتی تھیں اور نانی اماں اُن پر ناراض ہوتی تھیں تو بے تکان محاورے بولتی چلی جاتی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ ایک بچی دیکھنے میں بہت سیدھی سادی اور بھولی بھالی تھی لیکن اصل میں تھی بلا کی شوخ۔ جب پڑھنے بیٹھتی تو اس قدر سنجیدگی، وقار اور دلجمعی

سے سبق دہراتی کہ گویا پڑھنے کے سوا اسے اور کسی بات سے دلچسپی نہیں۔ لیکن جونہی نانی اماں کسی اور شاگرد کی طرف متوجہ ہوتیں اور اس کی طرف سے رخ پھیر لیتیں تو آنکھ بچا کر کھسک جاتی اور اِدھر اُدھر کھیل کود میں مصروف ہو جاتی۔ نانی اماں اسے ڈانٹ ڈپٹ کر پھر بٹھا دیتیں اور وہ پھر بڑی سنجیدگی اور متانت سے سبق دہرانے لگتی۔ یوں محسوس ہوتا کہ شرارت تو اس کے قریب بھی نہیں پھٹکی۔ ایک دفعہ جو نظر بچا کر اپنی جگہ سے کھسکی اور لگی اچھلنے کودنے تو نانی اماں نے اُس کی طرف تحیّر آمیز انداز سے دیکھتے ہوئے کہا — "دُوئی بُوا، یہ لڑکی ہے یا چھلاوا! اس کی تو رگ رگ میں شرارت ہے۔ کبھی دیکھو تو بھیگی بلی، کبھی شیر کی خالہ اور آفت کی پرکالا۔ آنکھ بھر کر دیکھو تو دم بخود جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، ذرا آنکھ ہٹاؤ تو دم کے دم میں جل دیئے بغیر نہیں رہتی۔ ایسا اچھلتی کودتی اور دھما چوکڑی مچاتی ہے کہ دھرتی پر دم دما دم کی بھرمار کر دیتی ہے۔ اس کی تو وہی بات ہے

گھڑی میں چولہ چُندری
گھڑی ڈھیلے میں لات
گھڑی بتو سیج پہ
گھڑی لونڈوں کے ساتھ

بیٹھ اپنی جگہ، جو اب اٹھی تو یا در کھ ٹنگڑی توڑ دوں گی، پھر دیکھوں گی کہ تو کیسے ٹنگڑیاں اُچھالتی اور چوکڑیاں بھرتی ہے، اگر چوکڑی نہ بھلا دوں تو تو استانی اور میں چھوکری" — نانی اماں غصہ میں بھری ہوئی تو تھیں ہی، پُتلیاں گھما کر قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے کُلّے پر اس زور سے چٹکی لی کہ نیل پڑ گیا۔ کوئی اور ہوتی تو بلبلا اٹھتی اور رو رو کر آسمان سر پہ اُٹھا لیتی۔ لیکن کیا مجال جو اُس نے "سی" بھی کی ہو۔ چٹکی کی تکلیف کو بس پی ہی تو گئی۔

(۲) میرے بچپن ہی کا واقعہ ہے۔ ایک روز محلّہ کی بڑی بوڑھیاں ہمارے گھر میں جمع تھیں۔ نانی اماں ان کے درمیان بیٹھی سروتے سے چھالیہ کتر رہی تھیں اور اُن سب کی تواضع کے لئے پن کُٹی میں پان کُٹ رہا تھا، سروتے کی ٹِک ٹِک اور پن کُٹی کی ٹھک ٹھک بھی جاری تھی اور بڑی بوڑھیوں کی چُرغم چُرغم بھی۔ کچھ بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہی تھیں اور کچھ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق چُپ سادھے بیٹھی بولنے والیوں کے منہ تک رہی تھیں۔ کونسے اہم مسائل زیرِ غور تھے اور کیا کچھ اظہارِ خیال ہو رہا تھا۔ لیجئے آپ بھی سُنئے۔

ذکر تھا محلہ کے ایک رئیس زادے کا جسے قسمت کی مار شراب کی لت پڑ گئی تھی۔ وہ اکثر شراب کے نشہ میں دُھت رہتا۔ کڑیل جوان ہونے کے باوجود کوئی کام کرنے یا کسی کام کو ہاتھ لگانے کا سوال ہی نہ تھا۔ بس لے دے کے شراب کباب سے ہی کام تھا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ مَثل اُس پر پوری طرح صادق آتی تھی — "مؤا کام کا نہ کاج کا ڈھائی من اناج کا"۔

ایک بڑی بی بولیں " اے بُوا ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے جیسے ہوش و حواس کی قُرقی بول گئی ہو۔

دوسری بولیں سُنا ہے کل کا مُوا یار دوستوں کی محفل میں شراب پینے کے بعد لڑکھڑاتا بڑبڑاتا گھر واپس آرہا تھا۔ اللہ رکھے میرے داماد نے مجھے بتایا راہ چلتے یوں جھوم رہا تھا جیسے مکھنا ہاتھی جھولتا ہے، سُرخ لال انگارہ سی آنکھیں اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ دیکھے سے خوف آتا تھا۔ لؤا دیکھتے ہی دیکھتے چکرا کر گرا اور زمین پر پڑے پڑے لگا واہی تباہی بکنے۔ لوگ گرد اگرد جمع ہو گئے۔ بچوں بالوں کو کھیل ہاتھ آگیا۔ خوب ہنسی اڑائی اور تالیاں پیٹیں۔ ایک نے اسے آواز دے کر پکارا۔ توبہ! توبہ! اللہ معاف کرے جواب میں ایسی موٹی سی گالی نکالی کہ سب نے دانتوں میں انگلیاں داب لیں۔ کل جہان نے لعنت بھیجی اور لگے توبہ تِلاّ اور استغفار کا ورد کرنے۔ ایک دل جلے نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ پاؤں سے جوتی اتار ادھوڑی سے چمڑی اُدھیڑ کر رکھ دی۔ ٹانٹ پر تڑا تڑ جوتیاں پڑ رہی تھیں اور کل مُوا چندیا سہلا سہلا کر کہہ رہا تھا واہ اللہ میاں! یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ مَیں نے سر منڈوایا نہیں پھر کیوں اولے پڑ رہے ہیں۔ اللہ میاں ہو کر ایسے بھولے ہو تم، ذرا دیکھ کر تو اولے برسایا کرو۔ سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ وہ مُردار بھی دانت نکسونے لگا۔"

ایک اَور بڑی بی اُن کے مُنہ سے بات اُچک کر یوں گویا ہوئیں۔ " وہ تو اللہ بھلا کرے میر صاحب کا، اُدھر جو گزر ہُوا اور مجمع پر نظر پڑی تو جھپا کے سے وہاں آن موجود ہوئے۔ بہت خفا ہوئے لوگوں پر اور بولے اللہ سے ڈرو اور اسی کی پناہ مانگو، تم لوگوں کو ہنسی سُوجھ رہی ہے، کچھ تو سمجھ بوجھ سے کام لو"۔ یہ کہنے کے بعد میر صاحب نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور بڑی مشکلوں سے گھسیٹتے گھساٹتے گھر تک لائے۔ نواب صاحب کے سپرد کر ہانپتے کانپتے وہاں سے واپس ہوئے۔ کہتے ہیں راستہ میں اُن پر گیرا پڑتا تھا۔ وہ بھر جوان یہ بوڑھے اور بے جان اُوپر اُس پر سدا کے دھان پان، وہ بھلا اِس بلائے جان کا بوجھ کیسے سہار سکتے تھے۔ قدم قدم پر گرے پڑتے تھے۔ بچاروں کا سب انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا۔"

ایک اَور بولیں مَیں تو کہوں گی انہوں نے جان جوکھوں میں ڈال کر نیکی کمائی۔ اللہ عمر دراز کرے، قیامت کے بورئیے سمیٹیں، خدا جب اپنے پاس بلائے تو اپنے حبیب پاکؐ کے صدقے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

ان بڑی بی نے ابھی اپنی بات ختم نہ کی تھی کہ ایک اَور بول پڑیں اے بُوا جب میر صاحب اس نکوڑے کو گھسیٹے لئے آرہے تھے تو ان کی حالت دیکھنے والی تھی۔ ایک ہاتھ سے تو اُس لوٹھے کا لاشہ گھسیٹ رہے تھے اور دوسرے ہاتھ میں

جو چوخانہ رومال تھا اسے چہرے پہ رکھ کر اُس سے ناک پکڑی ہوئی تھی۔ دو تین نے بیک آواز پوچھا اے بُوا وہ کیوں؟ انہوں نے کہا کہتے ہیں شرابی کے مُنہ سے بُو آتی ہے اور بُو بھی ایسی کہ دماغ پھٹتا ہے۔ کمبخت کا مُنہ سنڈاس سے کم نہیں ہوتا۔

اُنہیں میں سے ایک نے حیرت زدہ ہو کر کہا ہَئے ہَئے پھر لوگ ایسی نامراد چیز کو مُنہ ہی کیوں لگاتے ہیں؟۔

وہ پھر بولیں بُوا اِس کے سوا اور کیا کہوں عقل پہ پتھر پڑ جاتی ہے۔ میں تو کہتی ہوں خدا نہ کرے جو دشمن کو بھی اس کی لت پڑے۔ مت ماری جاتی ہے جو پیسے خرچ کرکے بدبخت گُو گھولتے اور دونوں جہان کی لعنت سمیٹتے ہیں۔

ایک اور بڑی بی جو پن کٹی میں کُٹا ہُوا پان پوپلے مُنہ میں مسوڑھوں سے چبا رہی تھیں یوں چُپ سادھے اور مُنہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی تھیں جیسے چپ کا روزہ رکھا ہُوا ہو۔ وہ دوسروں کو چبا چبا کر باتیں کرتا دیکھ رہی تھیں۔ خود پان چبانے میں مصروف اور ہمہ تن گوش تھیں۔ مُنہ میں جمع شدہ پان کی پیک کو حلق سے نیچے اتار کر اکیلا اکیلا بولیں اے بوبہی تو نہیں کہہ گئے کہنے والے

اپنے تئیں سوختہ اور دوسروں کو لذت

یہ مزا کباب میں دیکھا

اور زر خرچ کرکے جوتیاں کھانا

یہ مزا شراب میں دیکھا

(۱۳) اب میں ایک اور واقعہ جو میرا چشم دید تو نہیں البتہ بزرگوں سے سُنا ہُوا ہے بیان کرتا ہوں۔ میرے والد صاحب کی بڑی پھوپھی بہت ضعیف العمر تھیں۔ بس یوں سمجھئے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھیں۔ ہوش حواس بھی پوری طرح بجا نہ رہے تھے۔ البتہ پیرانہ سالی کے باوجود بینائی سلامت تھی۔ بڑھاپے یعنی بُرے آپے میں بھی مزاج کا طنطنہ جوان تھا۔ رسّی جل گئی پر بل نہیں گیا والی بات تھی۔ طبیعت میں وہم اس قدر تھا کہ دوسروں کے ہاتھ کا پکا ہُوا کھانا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ چکھنا تو درکنار دیکھنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ چارپائی پہ بیٹھے بیٹھے کوئلوں کی انگیٹھی پہ اپنا کھانا آپ پکاتیں اور من وسلویٰ سمجھ کر خوب مزے لے لے کر کھاتیں۔ سارا گھر انہیں اچھی اماں کہتا تھا۔

ایک دفعہ خود ان کی ملکہ گھر بھر کی جو شامت آئی تو اپنی بہن کی نواسی (جن کا نام امۃ اللطیف تھا جو اس وقت بہت نوعمر تھیں اور ابھی حال ہی میں فوت ہوئی ہیں۔ اور ربوہ میں ہی مدفون ہیں) کو آواز دی اے بچی میری انگیٹھی میں کوئلے تو دہکا دے، میں ذرا اپنی ہنڈیا بھون کر اس کام سے فارغ ہوں۔ بچی کھیل میں مصروف تھی۔ اُس نے دھیان نہ دیا۔ اچھی اماں کا پارا چڑھ گیا۔ کڑک کر بولیں توبہ ہے آج کل کی لڑکیوں کا دیدہ کیسا ہوائی ہے، آواز دو تو سنتی ہی نہیں۔ سن لیں تو ٹس سے مس نہیں ہوتیں، کیا مجال جو کان پہ جُوں بھی

رینگ جائے، ارے غنی! تو نے سُنا نہیں، کیا کانوں میں ڈاٹیاں دی ہوئی ہیں یا مکر کر رہی ہے، میں کہہ رہی ہوں ذرا انگیٹھی دہکا دے اور تو ہے کہ سُنی اَن سُنی کئے دے رہی ہے، جوتیاں کھا کر ہی سنے گی، آؤں اور تیرے کان اینٹھوں۔

اچھی اماں کو اِس طرح بنکارتے اور فضیحتیاں کرتے سُنا تو سب بول اُٹھے اور سب نے ہی غنی کو ڈانٹا کہ سُنتی کیوں نہیں، جا اور انگیٹھی دہکا۔ بچی یہ دیکھ کر سارا گھر ہی جھاڑ کا کانٹا بن کر پیچھے پڑ گیا ہے۔ اگر اب بھی ٹال مٹول سے کام لیا تو گھر نتا بن جائے گی، کھیل کود چھوڑ صحن ہی انگیٹھی دہکانے بیٹھ گئی۔ دھیان کھیل میں تھا، جلدی جلدی انگیٹھی دہکا رہی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اچھی اماں "بس کر" کا نادر شاہی حکم جاری کریں تو مجھے چھٹی ملے۔ اپنے خیالات میں مگن اس قدر زور زور سے انگیٹھی دہکا رہی تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں دہکتے کوئلوں ہیں سے آگ کے شعلے فضا میں لپکنے لگے۔ اچھی اماں کہتی ہی رہ گئیں "اری بس کر، اری بس کر" وہ دھن کی پکی دہکاتی ہی چلی گئی۔ عین انگیٹھی کی سیدھ میں اَلگنی پر اچھی اماں کا باریک ململ کا نیا دوپٹہ لٹک رہا تھا۔ بچی نے اس کا کوئی خیال ہی نہ کیا۔ انگیٹھی میں سے شعلے جو اوپر کی طرف بلند ہوئے تو دیکھتے دیکھتے دوپٹہ نے آگ پکڑ لی۔ گھڑی کی چوتھائی میں نہیں پلک جھپکنے میں جُز فُر ہو کر

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:-

"مجھے وہ لوگ جو دنیا میں سادگی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہت ہی پیارے لگتے ہیں۔"

(سیرت المہدی)

رہ گیا۔ دوپٹہ کا پتہ بھی نہیں لگا کہ گیا کہاں، الگنی پہ تھا بھی یا نہیں۔

دوپٹہ کا جلنا تھا کہ اچھی اماں نے کہرام مچا دیا۔ فضیحتیاں کر کر کے سارا گھر سر پہ اٹھا لیا۔ ارے میں نہ کہتی تھی آجکل کے بچوں کا دیدہ ہوائی ہے۔ اچھی انگیٹھی جلوائی مَیں نے اس کام بگاڑ لی سے۔ اس دیدے پھوٹی نے مجھ نگوڑی کا پھول سا دوپٹہ جلا کر رکھ دیا۔ اری کمبخت ماری تجھے سُوجھائی نہ دیا اوپر دوپٹہ لٹک رہا ہے اسے تو ہٹا لوں۔ منہ پہ ناک سُوجھے کیا خاک۔ ارے مجھ غریب نے سو پاپڑ بیلے جُگا جُگا کے پیسے جوڑے تب کہیں جا کر نیا دوپٹہ جُڑا۔ اس جنم کی اندھی نے اسے ملیا ملیٹ کر دیا۔ نہ میرے کام آیا نہ کسی اور غریب کے، تو کو نہ مو کو لے چولہے میں جھونکو۔

اس نے تو واقعی چولہے میں جھونک کر قصہ ہی پاک کر دیا، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، ہائے میں تو اس گھڑی کو روتی ہوں جب میں نے اس نحوست پیٹی کو انگیٹھی دہکانے کو کہا، مجھے کیا خبر تھی یہ اگنی دیوی زمین و آسمان پھونک ڈالے گی۔ غضب اندھیر میں تو کہیں آنے جانے کی بھی نہ رہی۔ جو ڈھونڈ ڈھکوں تو

کہیں آؤں جاؤں، ننگے چونڈے چلتی پھرتی سر جھاڑ
منہ پہاڑ فقیرنی لگوں گی، دوپٹہ جلا کر پڑ گئی ٹھنڈ
تیرے کلیجے میں۔ اگر انگیٹھی دہکانے سے منہ پھوڑ کر انکار
کر دیتی تو یہ بھاڑ میں آپ جھونک لیتی۔ میرا دوپٹہ
تو نہ جلتا، قسمت کی ماری میں تجھ پھوہڑ گنوار بھڑ بھونجن
سے کہہ بیٹھی، کلیجہ ہی بھون کر رکھ دیا کمبخت ماری نے۔
اگر یہی لچھن رہے تیرے اور قبر بہ نہ آیا تو بڑی ہو کر گھر
کیا بسائے گی، جہاں جائے گی آگ برسائے گی آگ،
اُجاڑا بول کر ہی دم لے گی۔ میرا خون نہ ہوتی تو ابھی
کچا چبا جاتی تجھ کو۔ ٹھہر، اب جاتی کہاں ہے۔ جب
تک تیری دھن کٹی نہ بنا لوں مجھے چین نہ آئے گا۔

اچھی اماں کا غصہ لحظہ بلحظہ بڑھتا ہی جا رہا
تھا۔ سارا گھر انہیں اس طرح لال پیلا ہوتے دیکھ کر
دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ دکھاوے اور بناوٹ
کے طور پر سب نے ہی بچی کو برا بھلا اور سخت سست
کہا اور مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق شاہ مدار
بننے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن اچھی اماں بس
نام کی اچھی اماں تھیں، ان کا غصہ تھمنا تھا نہ تھا،
پارہ چڑھتا ہی گیا۔ والد صاحب کچھ دیر تو بیٹھے ان
کی کوسم پیٹا کا نظارہ دیکھتے اور دل ہی دل میں مسکراتے
رہے۔ ایکا ایکی دل میں کچھ خیال آیا، سیدھے بازار
گئے اور بزاز سے انتہائی مہین ململ کا ایک دوپٹہ
خرید لائے۔ اُن کا خیال تھا پھوپھی اماں نیا دوپٹہ
لے کر غصہ تھوک دیں گی اور ٹھنڈا پانی پی کر اس
حادثۂ فاجعہ کو بھول جائیں گی۔ لیکن نیا دوپٹہ لے کر
بھی ان کا غصہ فرو نہ ہوا۔ بولیں ایک چھوڑ دس
دوپٹے لا دو اس سے کیا بنتا ہے، اور پھر دوپٹوں کی
میرے پاس کونسی کمی ہے اللہ دے اور بندہ لے ایک
چھوڑ دو بقچی میں سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں لیکن
اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ نقصان پر جی نہ کڑھے۔
میں تو اپنے اُس نرم و نازک مہین دوپٹے کو قیامت
تک نہ بھولوں گی۔ مجھے تو جس دم بھی اپنا دوپٹہ یاد آتا
ہے۔ سینے پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ اے کاش میرا دوپٹہ
لوٹ آئے مگر ہو وہی، عین مین وہی، نہ کوئی اور۔

گھر کی عورتوں نے جب دیکھا کہ اچھی اماں کا
غصہ ٹھنڈا ہونے میں ہی نہیں آتا وہ تو تیر بھر ہوئے
اور ماش کے آٹے کی طرح پھیلے ہی جا رہی ہیں۔ بچی کے
پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی اور غریب کا فضیحتہ کرتی ہی
رہیں گی۔ تو انہوں نے اچھی اماں کو چپ کرانے کی
ایک ترکیب نکالی۔ وہ یہ کہ ساری جمع ہو کر دوپٹہ کا
ماتم کرنے لگیں۔ جس طرح سانحہ کربلا کے درد انگیز
واقعات پر مشتمل مجلس پڑھی جاتی ہے بالکل اسی
طرح اور ہو بہو اُسی انداز میں انہوں نے دوپٹہ جلنے
کے حادثۂ فاجعہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ سب مل کر
اچھی اماں کے گرد جمع ہو گئیں۔ ایک نے بڑی ہی
پرسوز اور درد انگیز لہجہ میں بآواز بلند کہا ٹھیک اسی
انداز میں جس انداز سے ایک ذاکر مجلس پڑھتا ہے۔
(کیا کہا؟ سنئے)

"محرم الحرام کی دسویں کو کربلائے معلی میں
یزید پلید نے نواسۂ رسولؐ کا جگر گوشۂ بتول امام

حسین علیہ السلام کو بے دردی سے شہید کروا ڈالا۔ اسی طرح تیرہ تیزی کی تیراں تاریخ کو غنی نے اچھی اماں کا پھول سا دوپٹہ جلا کر راکھ کر ڈالا، داویلا واحسرتا! ہائے دوپٹہ ہائے دوپٹہ۔ ہائے ڈوپٹہ - ہائے دوپٹہ ''

ہائے دوپٹہ ہائے دوپٹہ! کا شور سن کر اپنے ارد گرد ماتمیوں کا حلقہ اور سینہ کوبی کا منظر دیکھ کر اچھی اماں بوکھلا اٹھیں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر کہنے لگیں بند کرو یہ ماتم۔ یہ کیا بدشگونی گھول رہی ہو گھر میں۔ ہمارا سب کو جی جان سے سلامت رکھے۔ ہمارا بھرا پڑا رہے یہ گھر اور سب ہنسی خوشی رستے بستے رہیں خدا نہ کرے جو کبھی ماتم کی نوبت آئے۔ کمبخت دوپٹہ کی ہستی ہی کیا ہے، ململ کا ایک چیتھڑا ہی تو تھا نہ رہا تو کیا ہوا۔ اب کبھی دوپٹہ کا نام بھی زبان پر لاؤں تو مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو۔ تیر نشانہ پر بیٹھا۔ اچھی اماں دوپٹہ کو ایسا بھولیں کہ کبھی بھول کر بھی اس کا نام نہ لیا۔

عورتوں کی وضع کردہ بعض نادر کہاوتیں

الغرض دلّی میں عورتوں نے لاتعداد محاورات کے علاوہ بعض دلچسپ طنزیہ کہاوتیں بھی بنا رکھی تھیں۔ وہ موقع اور محل کی مناسبت سے گفتگو کے دوران انہیں بکثرت استعمال کرتیں۔ اس سے بات میں ایسی خوبصورتی اور دل آویزی پیدا ہو جاتی کہ طنز اور اس میں چھپے ہوئے نشتر کے باوجود مخاطب محظوظ ہوئے بغیر نہ رہتا۔ میں مثال کے طور پر چند ایک کہاوتیں اور بیان کرتا ہوں۔

(۱) گفتگو کے دوران اگر کوئی عورت اپنی کوئی مشکل بیان کرتے اور اس مشکل کو حل کرنے کے سلسلہ میں اپنی تدابیر پر روشنی ڈال کر ان تدابیر کے کارگر نہ ہونے کا افسوس کے رنگ میں ذکر کرے تو بالعموم سننے والیوں میں سے کوئی نہ کوئی جسے اپنی عقل اور سمجھ بوجھ پر ناز ہو کہہ دیتی ہے۔ اگر میں ہوتی تو یہ تدبیر کرتی اور اس طرح مشکل حل کر دکھاتی۔ ایسے موقع پر پہلی عورت کہہ دیا کرتی ہے۔ بُوا یہ تو ہوائی باتیں ہیں اگر تم خود مشکل میں گرفتار ہوتیں اور تم پر بھی ایسی ہی بپتا پڑتی تو پھر میں دیکھتی کہ تم کیا کرتیں۔ کہنے کو تو سب کہا ہی کرتے ہیں ہم ہوتے تو یوں کر دیتے وہ یوں کر دیتے۔ جب مشکل آپڑتی ہے تو اچھے اچھے چوکڑی بھول جاتے ہیں، جب دن میں تارے نظر آنے لگیں تو مت ماری جاتی ہے اور تدبیر سوجھتی بھی ہے تو اُلٹی۔ ایسے موقعوں پر ڈینگیں ہانکنے والیوں کے لئے عورتوں نے ایک انتہائی طنز آمیز کہاوت بنا رکھی تھی اور وہ ڈینگیں ہانکنے والی کو مخاطب کر کے کہہ دیا کرتی تھیں:-

بُوا تمہاری تو وہی بات ہے۔

اے دُلّی میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ
مو گئے یزید کی گردن اڑا دیتی اک تدبیر کے ساتھ

اس کہاوت میں گہرا طنز ہی نہیں بلکہ ایک نشتر چھپا ہوا ہے جو چبھے اور کسک دیئے بغیر

نہیں رہتا۔

(۲) اگر کوئی کام اس نوعیت کا ہو کہ بہت سے ہاتھوں میں سے گذر کر تب کہیں جاکر انجام کو پہنچے یا یوں سمجھ لیجئے کہ مراد پانے اور مطلب حاصل ہونے کی خاطر بہت سے درمیانی واسطوں میں سے گذرنا ضروری ہو تو اس موقع کے لئے بھی ایک بہت ہی دلچسپ کہاوت عورتوں نے بنا رکھی تھی جو سننے سے تعلق رکھتی ہے جب کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہوتی کہ کام کی انجام دہی کے لئے پہلے ایک سے کہا جاتا وہ دوسرے سے سفارش کرتا، دوسرا تیسرے سے، تیسرا چوتھے سے اور علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ چلتا چلا جاتا تو عورتیں اس طولِ عمل پر طنز کرتے ہوئے کہہ دیا کرتی تھیں یہ تو وہی بات ہوئی۔

یا بیوی میں تم سے کہوں، تم علی سے کہو، علی نبی سے کہیں، نبی اللہ سے کہیں۔ تب کہیں میری مراد بر آئے۔

اس کہاوت میں "بیوی" سے مراد حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ اس صورتِ حال کے طنز یہ اظہار کی اس سے زیادہ خوبصورت کہاوت اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر اس میں بھی پہلی کہاوت کی طرح نسائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

(۳) اب میں ایک کہاوت اور بیان کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ یہ کہاوت اُس زمانہ میں بنی جب سلطنتِ مغلیہ مٹ چکی تھی۔ اچھے اچھے رئیسوں اور امیرزادوں کی امارت قصۂ پارینہ بن چکی تھی۔ دولت نہ ہونے کے باوجود ایسے رئیس زادوں کے مزاج ابھی تک شاہانہ تھے۔

ظاہری رکھ رکھاؤ اور سج دھج برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی لیکن ہاتھ پلّے کچھ نہ ہونے کے باعث کنجوسی کرنا بھی ناگزیر تھا۔ ایسے رئیس زادوں اور رئیس زادیوں کی کوشش یہ ہوتی تھی ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے۔ نام کے امیروں کی اس مضحکہ خیز کیفیت پر طنز کرنے کے لئے غریب گھرانوں کی مستورات نے ایک بہت ہی دلچسپ کہاوت بنائی۔ یہ کہاوت ایک امیرزادی اور اُس کی لونڈی کے درمیان گفتگو کے رنگ میں ہے اور اپنی جگہ ایک بہت ہی نادر کہاوت ہے۔ کہاوت کے الفاظ سے خود پتہ لگ جائے گا کہ امیرزادی نے لونڈی سے کیا کہا اور لونڈی نے اس پر کیا استفسار کیا۔ اس کہاوت میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو اب متروک ہیں اس لئے ان کی وضاحت ضروری ہے تاکہ بات سمجھ میں آسکے "مل" کا لفظ لیکن کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور "ٹیپ ٹاپ" کا لفظ "انتہائی قلیل مقدار" یا "برائے نام" کے مفہوم کو ادا کر رہا ہے۔ (ہاں تو سنئے) کہاوت یہ ہے:-

اُٹھ لونڈی بھر پکا، مل ڈیڑھ پا
خان کو دے خواص کو دے۔ طوطا کو دیدے۔
مینا کو دے۔ محفل میں لا۔
محفل میں بیوی کون کون؟

خیر علی خیرات علی دوست علی ادہم
اوروں کو دے ٹیپ ٹاپ میرا قدح بھر
میری خو ہے جانتی صبح کو بھی دھر

یہ کہاوت بھی میرے بچپن میں عورتیں ایسے مواقع پر بکثرت بولتی تھیں۔ جبکہ کم سے کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مہمان نوازی مقصود ہوتی۔ جو عورت بھی اس کہاوت کی وجہ سے طنز کا نشانہ بنتی وہ ناراض ہونے کی بجائے اس سے لطف اندوز ہوتی اور یہ بات ہنسی مذاق میں ختم ہو جاتی۔

ان تمام مثالوں سے دکھانا یہ مقصود ہے کہ دلی میں اردو کو پروان چڑھانے اور اسے ایک نئے روپ سے ہمکنار کر کے اسے دلکش و دل آویز بنانے میں دلی کی عورتوں نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہت سے نئے الفاظ، نئی ترکیبیں اور نئی اصطلاحیں نئے محاورے اور نئی کہاوتیں انہوں نے وضع کیں اور اظہارِ خیال کے نت نئے اسلوب ایجاد کئے۔ اور اس طرح اردو کے دامن کو لاتعداد نئے الفاظ، نئے محاوروں اور نئی کہاوتوں سے مالا مال کر دکھایا جب تک دلی اور دلی والے قائم رہے۔ دلی والیوں نے اردو کو اس کی تمام تر رنگینیوں رعنائیوں اور دل آویزیوں کے ساتھ زندہ و برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنی گودوں میں پروان چڑھنے والوں کو پیدائش کے اوّل روز ہی اردو کی گھٹی دی اور ان کے قلوب واذہان میں چمن زارِ اردو کے خوش رنگ و خوش نما گل بوٹے کھلا کر شیرِ مادر سے ان کی آبیاری کی۔ چنانچہ ان گودوں ہی پرورش پانے والوں میں سے بڑے بڑے شاعر ادیب اور انشاء پرداز منظرِ عام پر آئے جنہوں نے اپنی نگارشات اور ادبی تخلیقات سے اردو کی گراں بہا خدمت انجام دی۔

اب نہ وہ گود ہے نہ وہ گود والے۔ دلی ہی وہ دلی نہ رہی تو وہ گود کیسے باقی رہ سکتی تھی۔ ایسی صورت میں گود والوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب خود دلی میں جو بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں وہ اس امر کی غماز ہیں کہ آبادی میں بے پناہ اضافے کے باوجود اردو کا یہ چمن زار یہ گلستانِ ادب، یہ دبستانِ فصاحت ویران ہو چکا ہے اور اس میں اب اُلّو بول رہے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔

خدام الاحمدیہ کو تعلیم کے عام کرنے کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔ اگر وہ یہ کر لیں تو جماعت کے اخلاق بھی بلند ہو سکتے ہیں —— کتابیں پڑھنے سے ان کا ذہن صیقل ہو گا اور پھر اخلاق بلند ہوں گے ——
(خلیفۃ المسیح الثانی رض)

"ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا"

تیرے دیوانے نے سمجھا رمز تیرے پیار کا
"ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا"

آپ ہیں اور خاک ہیں ہاں فرش پر اور عرش پر
ایک جا ہو تو پتہ دیں حسن کے دربار کا

سینہ بریاں داغِ دل اور چشم نم یہ سب متاع
کون لے کس کا ہے جھگڑا عشق کے بازار کا

دیدۂ ناوک فگن نے دل کو چھلنی کر دیا!
ہو گیا چھڑ کے نمک ہی ہاتھ خود دلدار کا

پاسداری چاہیئے آئینِ شہرِ عشق کی
شیوۂ تسلیم میں کیا سوچنا انکار کا!!

ہر چہ بادا باد دھونی ہے رمائی عشق نے
اب چلائے عقل آرہ لائے پھندہ دار کا

شور کیسا اے ذئب پھر تیرے کوچے میں ہے!
پھر ہوئے اپنے پرائے ذکر کیا اغیار کا

جسم فانی مار کر نازاں ہوا ظالم تو کیا!
ہو سکے تو لائے دارو عشق کے آزار کا

بحرِ طوفاں خیز میں کشتی کی جرأت دیکھئے
توڑ اس کے پاس ہے موجوں کے ہر یلغار کا

میں کہاں شاعر۔ بھلا کیا شاعری سے واسطہ
فیض ہے سب آپ ہی کے مصرعِ طرحدار کا

([illegible] مسعود احمد خان ۔ ربوہ)

"اگر میں مدیر خالد ہوتا!"

ادارہ خالد کی طرف سے ایک ماہانہ مضمون نویسی مقابلہ کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

اس مقابلہ میں اوّل آنے والے مضمون نگار کو ایک سال اور دوم آنے والے کو چھ مہینہ تک رسالہ خالد مفت ارسال کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں اوّل مضمون شائع بھی کیا جائے گا۔

مئی کے مقابلہ کے لئے عنوان "اگر میں مدیر خالد ہوتا!" تجویز کیا گیا ہے ...

۳۰ مئی ۱۹۸۰ء تک موصول ہونے والے مضامین شاملِ مقابلہ ہوں گے۔ نیز اس مقابلہ میں صرف ۱۵ سے ۲۵ برس کی عمر کے خدام شریک ہو سکیں گے۔ حجم کم از کم ۵۰۰ الفاظ ہونا چاہیئے۔ (ادارہ)

سالانہ تربیتی کلاس

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیرِ اہتمام ۱۶ تا ۳۰ مئی ۱۹۸۰ء ایوانِ محمود ربوہ میں چھبیسویں (۲۶) سالانہ تربیتی کلاس منعقد ہو رہی ہے۔ قائدین کرام زیادہ سے زیادہ خدام کو اس میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔

(ناظمِ اعلیٰ)

جناب عبد الحکیم اکمل کے قلم سے

ہالینڈ یا نیدرلینڈ

(قسط نمبر ۲)

پیداوار

ملک کے زرخیز حصّہ میں زراعت ہوتی ہے چنانچہ سبزیاں، پھل، گیہوں، جَو، آلو اور چقندر پیدا ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں پھول بہت ہی کثرت سے بوئے جاتے ہیں۔ جو اپنے موسم میں کاٹ کر فروخت کئے جاتے ہیں۔ لوگ انہیں خرید کر اپنے گھروں میں سجاتے ہیں اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفے تحائف دیتے ہیں۔ یہاں کا TULIP پھول ساری دُنیا میں مشہور ہے۔ جو بذریعہ ہوائی جہاز دور دور بھجوایا جاتا ہے اور ملک کیلئے خاصی آمد کا ذریعہ ہے۔ ملک کے کم زرخیز حصّہ میں ہموار زمین پر گھاس کثرت سے اُگتی ہے۔ اس لئے گائے۔ بیل۔ بھیڑ۔ بکریاں۔ گھوڑے اور سؤر کثرت سے پالے جاتے ہیں۔ ملک میں دودھ مکھن اور پنیر بکثرت ہوتا ہے۔ ریتلے علاقوں میں مرغیاں اور بطخیں پالی جاتی ہیں جن سے انڈے اور گوشت حاصل ہوتا ہے۔ ہالینڈ سے گوشت۔ منجمد مرغیاں۔ دُودھ۔ مکھن اور پنیر غیر ممالک کو بھجوایا جاتا ہے۔ یہاں کی گائے دودھ دینے میں خاص شہرت رکھتی ہے اور دور دور تک فروخت ہوتی ہے۔

ملک کے ایسے علاقوں میں جہاں کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے کارخانے لگائے گئے ہیں۔ اور اس سے ہالینڈ یورپ کا ایک بہت بڑا صنعتی ملک بن گیا ہے۔ فلپس (PHILIPS) کمپنی جس کی مصنوعات ساری دُنیا میں مشہور ہیں ہالینڈ کے شہر EINDHOVEN میں ہے۔

صنعت و حرفت

ہالینڈ بین الاقوامی تجارت کا مرکز ہے۔ ایمسٹرڈم اور روٹرڈم مصروف ترین بندرگاہیں ہیں۔ یہاں جہاز سازی کے کارخانے قائم ہیں۔ کپڑا بنانے اور دھاتوں سے چیزیں تیار کرنے کے کارخانے پائے جاتے ہیں۔ ہالینڈ کی بنی ہوئی اشیاء اچھی شہرت رکھتی ہیں۔ لوگ مصوری میں ماہر ہیں۔ ۱۶ویں۔ ۱۷ویں صدی میں اچھے مصوّر ہوئے ہیں REMBRANDT اور MESDAG دنیا بھر میں مشہور ہیں!

کوئلہ کی کانوں کو فی الحال بند کر دیا گیا ہے۔ ہزاروں لوگ جو ان کانوں میں کام کر کے روزی کماتے تھے۔ ان کے لئے متبادل کام تلاش کر لیا گیا ہے۔ اب وہ ملک کے شمالی حصّہ سے تیل اور گیس نکالنے کا کام

کرتے ہیں ۔ ملک میں باہر کے لوگ سیر و تفریح کے لئے کثرت سے آتے ہیں جن سے خاصی آمد ہوتی ہے ۔ ریل گاڑیاں سارے ملک میں بجلی سے چلتی ہیں ۔ ہوائی سروس کا نام K.L.M ہے جو دنیا بھر میں مشہور ہے ۔ سمندر کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے لوگ ماہی گیری میں خوب مہارت رکھتے ہیں ۔ مچھلیاں ڈبّوں میں بند کر کے باہر بھی بھیجی جاتی ہیں !

قابلِ دید اشیاء

نہروں کا جال

ملک میں جگہ بجگہ آبادیوں اور کھلی جگہوں میں نہروں کا ایک جال بچھا ہوا نظر آتا ہے ۔ یہاں کی زمین چونکہ نشیبی ہے ۔ اس لئے ان نہروں سے بہت سے کام لئے جاتے ہیں ۔ نشیبی علاقوں میں بارش کا اور گھروں میں استعمال شدہ پانی ان نہروں میں آ جاتا ہے جو چھوٹی نہروں سے بڑی نہروں میں منتقل ہوتا رہتا ہے ۔ اس طرح گندے پانی کو پمپ کے ذریعہ سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے ۔ ان نہروں پر مختلف جگہوں پر ایسے پمپ لگے ہوئے ہیں جو گندے پانی کو فلٹر کرتے رہتے ہیں ۔ اسی طرح پانی میں بدبو پیدا نہیں ہوتی ۔ علاوہ ازیں بڑی بڑی نہروں سے کشتیوں کے ذریعہ مال و اسباب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔ قریباً ملک کے ہر حصّہ میں یہ کشتیاں پہنچ سکتی ہیں ۔ اندرون ملک تجارت کا بڑا انحصار ان نہروں پر ہے ۔ اس کے علاوہ یہ نہریں ملک کی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہیں ۔ گرمیوں میں لوگ ان نہروں سے مچھلیاں پکڑتے ہیں جو کھائی نہیں جاتی بلکہ واپس پانی میں پھینک دی جاتی ہیں ۔ صرف تفریح کا ایک مشغلہ ہے ۔

PANORAMA MESDAG

ہیگ شہر میں دُنیا کی سب سے بڑی پینٹنگ موجود ہے جسے PANORAMA PAINTING MESDAG کہا جاتا ہے ۔ یہ ۱۸۸۰ء کا ہیگ کے سمندری ساحل کا ایک بہت ہی خوبصورت نظارہ ہے جس میں سمندر میں کچھ جہاز چلتے نظر آتے ہیں ۔ کچھ کھڑے ہیں ۔ دوسری طرف آبادی ہے چھوٹے چھوٹے مکان بنے ہوئے ہیں ۔ گھوڑا گاڑی ، بکریاں ، مرغیاں تک پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک PAINTING نہیں حقیقت کو دیکھ رہا ہے ۔

دُنیا کا سب سے چھوٹا شہر

ہیگ شہر میں ایک جگہ ہالینڈ بھر کی اہم عمارتوں ، کارخانوں ، ملٹری اور سول انتظامات ۔ بری اور بحری ذرائع آمد و رفت شہر کے اندر کی ٹریفک لوگوں کی رہنے سہنے کی عادات وغیرہ کو چھوٹے پیمانے پہ ماڈل بنا کر پیش کیا گیا ہے ۔ اس گھروندوں کے شہر کو MADLLRODAM

کہتے ہیں۔ اور اسے ایک پورے شہر کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کھلونوں کے شہر کا اپنا ایک میئر بھی ہے۔ لوگ دُنیا کے کونے کونے سے آکر اسے دیکھتے ہیں یہ دُنیا کا سب سے چھوٹا شہر مشہور ہے!

سیاحوں کے جزیرے

شمالی ہالینڈ میں مچھیروں کے دو چھوٹے چھوٹے شہر MARKEN اور VOLENDAM اپنی پرانی روایات کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں انہیں سیاحوں کے جزیروں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لوگ دُور دُور سے آکر انہیں دیکھتے ہیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور حضرت بیگم صاحبہ جب ۱۹۷۳ء میں ہالینڈ تشریف لائے تھے تو ان مقامات کو دیکھنے کیلئے تشریف لے گئے وہاں پر حضور نے مچھیروں کے ایک خاندان کو پہچان لیا۔ جسے آپ نے ۱۹۳۵ء میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں دیکھا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس مع بیگم صاحبہ ان کے گھر پر تشریف لے گئے۔ جو چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل تین سو سال پرانا تھا۔ اور لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ حضور نے انہیں اسلام کی تبلیغ کی اور ڈچ قرآن مجید مطالعہ کے لئے بھجوایا!!

کھلی فضا کا عجائب گھر

جنوب مشرقی حصہ خاص طور پر خوبصورت ہے اور بڑا سرسبز ہے۔ بڑے بڑے درختوں کے جنگل اسی طرف ہیں۔ ایک بڑے پارک کی کھلی فضا میں ۱۶ ویں، ۱۷ ویں اور ۱۸ ویں صدی کے مکانات کارخانوں اور لباس وغیرہ کے نمونے رکھے گئے ہیں۔ بعض کارخانوں کی مشینوں کے تمام کَل پُرزے لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔

سفاری پارک

اسی علاقہ کے ایک بڑے جنگل میں چاروں طرف باڑ لگا کر جنگلی جانور شیر۔ چیتے۔ ہاتھی۔ بندر۔ لومڑ۔ شتر مرغ ہرن وغیرہ کھلے چھوڑے گئے ہیں۔ لوگ موٹروں میں بیٹھ کر سیر کرتے ہیں اس جگہ کو "سفاری پارک" کہتے ہیں۔

مچھیروں کا لباس

یوں تو اب نئے زمانہ کے مچھیرے عام لوگوں کا سا لباس ہی پہنتے ہیں مگر کچھ علاقوں میں ابھی تک ایسے لوگ مل جاتے ہیں جن پر اس نئی تہذیب نے اثر نہیں کیا۔ جہاں مرد سر پر سیاہ رنگ کی ٹوپی پہنتے ہیں سیاہ رنگ کی پاجامہ نما پتلون پہنتے ہیں جو بڑے کھلے کھلے پائنچوں والی ہوتی ہے۔ بند گلے کی سیاہ رنگ کی قمیص اور اس کے اوپر سیاہ رنگ کا چھوٹا سا کوٹ پہنتے ہیں۔ پاؤں میں لکڑی کے جوتے ہیں جو انکو گیلی زمین اور سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جب یہ لوگ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو جوتوں کو دروازہ پر ہی اتار دیتے ہیں!

عورتیں سیاہ رنگ کی موٹی قمیض اور اس پر لہنگے کی طرح کا مگر زیادہ گھیر دار گھگرا سا پہنتی ہیں۔ سر پر سفید کپڑے کی ٹوپی ہوتی ہے جو چاندی یا سونے کی خاص طرز کی بنائی ہوئی سوئیوں سے اس طرح پر پیوست کی ہوئی ہوتی ہے کہ ہوا کے تیز جھونکوں سے بھی نہیں گرتی۔ پاؤں میں وہی لکڑی کے جوتے ہوتے ہیں۔ گلے میں موتیوں کے ہار پہنتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے پھبروں کے لباس میں عجیب و غریب دکھائی دیتے ہیں۔ اور زائرین کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں!

مسجد مبارک ہیگ

مسجد مبارک ہیگ ہالینڈ کی پہلی مسجد ہے جو شہر کے ایک نہایت خوبصورت حصہ میں واقع ہے۔ اپنے دونوں میناروں اور سبز و سفید رنگ و روغن کی وجہ سے اپنے ارد گرد سے بہت ممتاز ہے۔ تبلیغ اسلام کے لئے آج تک ہالینڈ میں اپنی طرز کا واحد مرکز ہے۔ مقامی طور مختلف ممالک سے آنے والے لوگ مسجد دیکھنے کے لئے بکثرت آتے ہیں کیونکہ یہاں کے سیاحی کے محکمہ کے کاغذات میں بھی اس کا اندراج ہے۔ یہی جگہ ہالینڈ میں جماعت احمدیہ کا مرکز ہے!

ہوائی چکیاں

ساحل سمندر پر واقع ہونے کی وجہ سے ہالینڈ میں ہوا کا دباؤ بہت زیادہ رہتا ہے۔ اور ہوا ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ اس قدرتی ذریعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جگہ جگہ کھیتوں وغیرہ میں ہوائی چکیاں لگی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جو ملک کے نظارے کو خوبصورت بنا دیتی ہیں۔ پچھلے زمانہ میں ان سے بہت سے مفید کام لئے جاتے رہے ہیں۔ جیسے آٹا پیسنا۔ پانی نہروں سے اٹھا کر کھیتوں کو سیراب کرنا۔ کسی کارخانے کی کلوں کو حرکت میں لانا وغیرہ۔ مگر اب صرف خوبصورتی کا موجب ہیں۔ ایک ڈچ مصنف DR. R.W.H. PITLO اپنی کتاب VERGETEN BESCHAVING میں لکھتا ہے کہ "یہ ہوائی چکیاں شمالی افریقہ کے باشندوں کی ایجاد تھیں۔ وہاں سے ایران تک آکر استعمال ہوتی رہیں۔ پھر کسی زمانہ میں وہاں سے آہستہ آہستہ ہالینڈ میں پہنچ گئیں"۔

برتن سازی

ہالینڈ میں مٹی کے برتنوں پر روغن چڑھا کر نیلے رنگ کے بیل بوٹوں کا کام بہت اچھا ہوتا ہے۔ بڑی بڑی پلیٹیں اور مرتبان وغیرہ خاص طور پر تیار کئے جاتے ہیں۔ غیر ملکوں کے سیاح تزئین کے لئے انہیں خرید کر لے جاتے ہیں۔ اس قسم کا کام یہاں کے شہر ڈیلفٹ DELFT میں ہوتا ہے۔ برتنوں کے علاوہ دیواروں کی ٹائلز بھی بنائی جاتی ہیں۔ جن پر بیل بوٹوں کے علاوہ ہوائی چکیاں اور ہالینڈ کے پھولوں کے کھیتوں وغیرہ کے نظارے بھی

بنائے جاتے ہیں۔ اس وقت ان چیزوں کو یہاں کی مخصوص چیز تصور کیا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر PITLO کی تحقیق کے مطابق یہ آرٹ بھی مسلمانوں سے سپین کے ذریعہ براستہ اٹلی۔ فرانس اور بلجیم ہالینڈ میں آیا ہے!

PEACE PALACE

بین الاقوامی عدالت انصاف کی عظیم الشان عمارت بھی قابلِ دید ہے جو ہیگ میں ہے۔ یہ عمارت CONGEGI FOUNDATION کی ملکیت ہے۔ مگر اقوام متحدہ نے اس کا اوپر کا حصہ

کرایہ پر لیا ہوا ہے۔ اس عمارت کے نیچے کے حصہ میں بین الاقوامی قانون کا ایک انسٹی ٹیوٹ اور قانون کی کتب کی لائبریری بھی ہے۔ اس کی تعمیر اور تزئین میں یورپ کی مختلف اقوام ڈچ۔ جرمن۔ اٹلی فرانس انگلستان۔ ڈنمارک اور دوسرے بہت سے ملکوں روس۔ چین۔ جاپان۔ تھائی لینڈ۔ انڈیا وغیرہ نے حصہ لیا اور اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ جج صاحبان کے کامن روم (COMMON ROOM) میں پاکستان کا دیا ہوا تحفہ چغتائی آرٹ کا ایک نمونہ بھی رکھا ہے۔ اسی بین الاقوامی عدالت میں پاکستان کی طرف سے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے بطور صدر عدالت کئی سال تک کام کیا ہے۔ آپ فروری ۱۹۷۳ء میں یہیں سے ریٹائر ہوئے۔

سائیکلوں کی بہتات

چونکہ زمین ہموار ہے اس لئے سائیکل چلانا آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہالینڈ میں قطار اندر قطار لوگ سائیکلوں پر آتے جاتے نظر آتے ہیں۔ اور سارے ملک میں لوگ سائیکل پر سیر و تفریح کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر دفاتر سے چھٹی کے وقت اور صبح و شام سکول آنے جانے کے اوقات میں سڑکوں پر سائیکلوں کا ایک اُمڈتا ہؤا سیلاب دکھائی دیتا ہے جو باہر سے آنے والے لوگوں کو اچنبھا محسوس ہوتا ہے!!!

تہوار

ہالینڈ کے لوگ مختلف تہوار بڑی دھوم دھام

سے مناتے ہیں۔ اور لاکھوں روپے کھیل تماشے پر خرچ کر دیتے ہیں۔ سب سے مشہور تہوار جن پر بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تین ہیں۔

(۱) SAINT NICOLAAS کا دن

یہ شخص پرانے زمانہ میں سپین کے ساحلی ریگستانی علاقہ کے چند حبشی خدمت گزار ساتھ لے کر ہالینڈ آیا کرتا تھا۔ اور اچھے بچوں میں کھلونے اور مٹھائی تقسیم کیا کرتا تھا یہ دن ۵ دسمبر کو ہر سال منایا جاتا ہے اور بچوں کے لئے کھلونے وغیرہ خرید کر اُن کے کمروں میں چھپا کر رکھ دیئے جاتے ہیں اور پھر بچے خود ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں نکالتے ہیں۔ اس روز سرکاری طور پر چھٹی ہوتی ہے۔

(۲) تہوارِ کرسمس۔ یہ دسمبر کے آخری دنوں میں منایا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر سارے شہر میں رنگ برنگ کے بجلی کے قمقمے لگا کر خوب روشنی کی جاتی ہے۔ سارا شہر دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے۔ بازار رات گئے تک کھلے رہتے ہیں۔ اور تحفے تحائف کی خوب خرید و فروخت ہوتی ہے! رات کے وقت گرجوں میں خاص عبادت کا پروگرام ہوتا ہے موسیقی کی دھنوں میں گا گا کر دعائیں کی جاتی ہیں۔

(۳) نئے سال کا تہوار۔ ۳۱ دسمبر کو رات ۱۰ بجے کے بعد سارے ملک میں ٹریفک بند ہو جاتی اور ۱۲ بجے کے بعد سب لوگ گلی کوچوں میں نکل آتے ہیں۔ اور خوب آتشبازی کرتے ہیں۔ اس موقع پر ہر سال ملک بھر میں ۲۴ ملین گلڈر یعنی ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ روپیہ ایک رات میں محض آتشبازی پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد بھی دیتے ہیں۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَات

اَخْبَارِ مَجَالِس

(المرتبہ: اخلاق احمد انجم)

(۱) ۳۱ ؍جنوری ۱۹۸۰ء کو جماعت احمدیہ محمود آباد جہلم کے زیر اہتمام جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیر صاحب مقامی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں بہت سے احباب نے شرکت کی۔ نیز ۲۳ ؍فروری کو جلسہ مصلح موعودؓ بھی منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مصلح موعودؓ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر تقاریر ہوئیں۔

(۲)۔ مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ کالہ والہ ضلع سیالکوٹ نے مورخہ ۳۰ ؍جنوری کو ایک تربیتی کلاس کا انعقاد کیا۔ جس میں مرکزی نمائندہ مکرم عبدالمنان صاحب طاہر معتمد مرکزیہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر فرمائی۔

(۳) مورخہ ۲۲ ؍فروری کو گوٹھ عنایت اللہ (سکھر) میں اجلاس عام منعقد ہوا۔ جس میں ڈھیرکی کے خدام، اطفال اور انصار نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں تلاوت اور نظم کے مقابلہ جات ہوئے۔ اس کے علاوہ قائد صاحب ضلع نے اطفال کا جائزہ لیا۔

(۴) مجلس خدام الاحمدیہ بدوملہی ضلع سیالکوٹ نے مورخہ ۱۷ ؍مارچ کو ایک وقار عمل کیا۔ جس میں ایک سڑک جو سیلاب کی وجہ سے ناکارہ ہوگئی تھی کی مرمت کی گئی۔

(۵) مجلس خدام الاحمدیہ بہاولپور کے زیر اہتمام مورخہ ۲۸، ۲۹ فروری کو بیت الذکر بہاولپور میں دو روزہ تربیتی کلاس منعقد ہوئی۔ اس کلاس کے چار اجلاسات ہوئے۔ اس میں مرکزی نمائندگان صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف۔ مکرم عبدالحفیظ صاحب کھوکھر مبلغ افریقہ نے شرکت کی اور مختلف موضوعات پر تقاریر فرمائیں۔ کلاس میں ورزشی، اور علمی مقابلہ جات بھی ہوئے۔ اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے والے خدام میں انعامات تقسیم کئے گئے۔

(۶) مجلس خدام الاحمدیہ سمندری ضلع فیصل آباد کے زیر اہتمام مورخہ ۷ ؍مارچ کو ایک روزہ تربیتی کلاس کا انعقاد ہوا جس میں ۱۲ مجالس کے خدام، انصار، اطفال اور ناصرات نے شرکت کی۔

(۷) مجلس خدام الاحمدیہ ملتان شہر نے مورخہ ۲۴ ؍جنوری کو ایک وقار عمل کیا۔ جس میں تمام مسجد کی صفائی کی گئی۔ الماریوں پر روغن کیا گیا۔ اسی دن خدام نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی مبارک تحریک پر عمل کرتے ہوئے نفلی روزہ بھی رکھا۔ اسی طرح ۳۱ ؍جنوری کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک تقریری مقابلہ

ہوا۔ جس میں ۱۳ اطفال اور ان کے علاوہ خدام نے بھی حصہ لیا۔ نیز ۲۸ فروری کو دو روزہ تربیتی کلاس کا انعقاد بھی ہوا۔

(۹) مجلس خدام الاحمدیہ جہلم نے مورخہ ۷ مارچ کو ایک وقارِ عمل کیا۔ جس میں ۳۰ خدام اور ۱۰ اطفال اور ۶ انصار نے حصہ لیا۔ یہ وقارِ عمل قبرستان میں کیا گیا۔ ناہموار جگہ کو ہموار کیا گیا۔ اس کے علاوہ عام گذرگاہ کی بھی مرمت کی گئی۔

(۱۰) مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ کے زیرِ اہتمام ایک بارہ روزہ تربیتی کلاس منعقد کی گئی جو ۸ فروری سے لے کر ۱۹ فروری ۱۹۸۰ء تک جاری رہی۔ جسکی اوسط حاضری ۲۰ خدام تھی۔

(۱۱) ہمارے لئے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ جام شورو کے دو خدام اور ایک ناصرہ نے یونیورسٹی میں اعلیٰ درجات حاصل کئے ہیں۔ مکرم عبدالقادر (B.Sc. E) مکرم لئیق احمد صاحب M.A E اور مکرمہ مبارکہ بیگم صاحبہ B.Sc. — نے یونیورسٹی کا امتحان اعلیٰ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے۔

(۱۲) مجلس خدام الاحمدیہ قیادت دہلی گیٹ لاہور کے زیرِ اہتمام مورخہ ۲۷ فروری کو جلسہ سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا انعقاد ہوا جس میں مرکزی نمائندگان مکرم عبدالمنان صاحب طاہر اور مکرم مرزا نصیر احمد صاحب

نے شرکت کی۔ اور حضور کی سیرت کے مختلف موضوعات پر تقاریر فرمائیں۔ اس کے علاوہ مورخہ ۲۰ فروری کو پیشگوئی حضرت المصلح الموعودؓ کے موضوع پر ایک تقریری مقابلہ ہوا جس میں خدام نے شوق و ذوق سے حصہ لیا۔

(۱۳) جماعت احمدیہ سانگلہ ہل کے تحت مورخہ ۲۳ مارچ ۸۰ء کو مسجد احمدیہ میں جلسہ یوم مسیح موعودؑ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت امیر مقامی مکرم چوہدری فقیر اللہ صاحب نے کی۔ نوّے کے قریب احباب جماعت نے شرکت کی۔ جلسہ میں سیرت حضرت مسیح موعودؑ کے مختلف موضوعات پر تقاریر ہوئیں۔

(۱۴) مجلس خدام الاحمدیہ گوجرانوالہ نے ۸ تا ۲۲ مارچ پورے ضلع گوجرانوالہ میں خاص تبلیغی اور تربیتی پروگرام منایا۔ اس پروگرام کے تحت ضلع کی ستاون جماعتوں میں تربیتی کلاسز اور تربیتی اجلاسات منعقد ہوئے۔ اس دوران ضلع کے خدام نے بڑھ چڑھ کر خدمتِ دین کے کاموں میں حصہ لیا۔ ان اجلاسوں میں تقریباً ساڑھے چار ہزار غیر احمدی احباب کو تبلیغ کی گئی۔ اس پروگرام میں مکرم صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اور مکرم سید احمد علی شاہ صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد بھی تشریف لے گئے۔ جنہوں نے مختلف جماعتوں میں تقاریر کیں۔ انہی ایام میں جامعہ کی سادسہ کلاس کے طلباء نے ضلع گوجرانوالہ کی مختلف

جماعتوں میں وقفِ عارضی کی

(۱۵) مجلس خدام الاحمدیہ مارٹن روڈ کراچی کی مجلس عاملہ کے ممبران حلقہ لیاقت آباد کے سب پریذیڈنٹ مکرم چوہدری شریف احمد صاحب وڈائیچ کی عیادت کے لئے لیاقت آباد گئے۔ چوہدری صاحب عرصہ چار ماہ سے دل کے دورہ کی وجہ سے علیل چلے آرہے تھے۔ مکرم چوہدری صاحب نے مجلس عاملہ اور حلقہ کے اطفال سے خطاب کیا جس میں آپ نے بچوں کو حضور کی خدمت میں خط لکھنے کی تاکید فرمائی۔

(۱۶) ضلع شکارپور کی بیڈمنٹن چیمپئن شپ مجلس اطفال الاحمدیہ کے ایک طفل طاہر محمود شرما نے جیت لی۔ SMLA نے انعامات تقسیم کئے۔ اور ضلع شکارپور کی سپورٹس کمیٹی میں مکرم مظفر احمد شرما قائد خدام الاحمدیہ کو جائنٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا ہے۔

میدانِ جنگ سے!

دوسری جنگ عظیم کے ایک نامہ نگار ارنی پائیل کی کتاب "بہادر انسان" (BRAVE MEN) ادب میں کلاسیکی مقام رکھتی ہے۔ ارنی پائیل ہمیشہ ہراول دستوں کے ساتھ رہتا تھا۔ جنگ ختم ہونے سے تین ماہ قبل بحرالکاہل کے ایک جزیرے "لے شیما" میں ایک جاپانی کی گولی سے مارا گیا۔ ذیل میں دو واقعات اسی کی اسی کتاب سے ہدیۂ قارئین ہیں۔

(مرسلہ: نثار احمد نازؔ)

(۱) "حسبِ عادت"

اٹلی کے ہی محاذ کا ذکر ہے کہ ایک امریکی پلٹن کی ایک کمپنی نے ایک افریقی کتا پال رکھا تھا۔ یہ کتا سپاہیوں کے ساتھ اگلے مورچوں میں رہتا تھا۔ دو بار زخمی ہوا لیکن اس نے حملے کے دوران بھی سپاہیوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ذرا فرصت ملے تو سپاہی پتھر پھینکتے تھے اور یہ کتا بھاگ کر پتھر منہ میں اٹھا لاتا تھا۔ اس تفریح سے سپاہی بھی خوش رہتے تھے اور کتا بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔

انہی دنوں ایک نئی قسم کا گرنیڈ (دستی بم) تیار کیا گیا جو اگلے مورچوں میں استعمال کے لئے بھیجا گیا۔ یہ گرنیڈ رائفل کے سامنے لگائے ہوئے ایک کپ میں ڈال کر فائر کیا جاتا تھا جب گرنیڈ محاذ پر پہنچا تو اس کی کارکردگی کے مظاہرے کا انتظام کیا گیا۔ بہت سے امریکی جرنیل، بریگیڈیر، کرنل اور چھوٹے افسر ایک جگہ جمع کئے گئے۔ گرنیڈ پھینکنے اور اس کے پھٹنے کا مظاہرہ اس کمپنی کو کرنا تھا جس کے ساتھ یہ افریقی کتا تھا۔

ایک سپاہی نے گرنیڈ کو رائفل کے کپ میں فٹ کر کے فائر کیا۔ گرنیڈ اڑا اور افسروں کے ہجوم سے کوئی ڈیڑھ سو گز دور گرا۔ اب دھماکے کا انتظار تھا۔ دو تین سیکنڈ میں اسے پھٹنا چاہیئے تھا لیکن کوئی دھماکہ نہ ہوا۔ گرنیڈ ابھی زمین پر لڑھکتا چلا جا رہا تھا کہ کمپنی کا کتا جو پھینکے ہوئے پتھر اٹھا لانے کا عادی تھا حسبِ عادت گرنیڈ کے پیچھے سرپٹ بھاگا اور گرنیڈ کو منہ میں اٹھا کر تماشائی افسروں کے ہجوم کی طرف آیا۔ فوجی افسروں کے ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ اٹھے بھاگے۔ پتھروں سے ٹھوکریں کھا کھا کر گرتے اور ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ کتا ان سے زیادہ تیز تھا۔ وہ گرنیڈ منہ میں اٹھائے ان کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور کمپنی کے سپاہی اس کے پیچھے "جوسی، جوسی ادھر آؤ" کا شور کرتے بھاگ رہے تھے۔ ہر کوئی گرنیڈ کے پھٹنے کا منتظر تھا تعنی کے عالم میں بھاگ رہا تھا۔

آخر کتے نے گرنیڈ پھینک دیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ کمپنی کے سپاہیوں کو داد طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ میں نئے گرنیڈ کا مظاہرہ کامیاب تھا کیونکہ وہ گرنیڈ کبھی بھی نہ پھٹا۔

۲۔ "سوئے اتفاق"

نارمنڈی (فرانس) پر اتحادیوں کا جوابی حملہ بڑا ہولناک تھا۔ فوجوں کے آگے آگے امریکی، برطانوی، فرانسیسی اور آسٹریلوی طیارے بے پناہ بمباری کر رہے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق اس بمباری میں تین ہزار چھوٹے اور بڑے طیاروں نے شرکت کی تھی۔ اتحادی اور جرمن مورچوں کے درمیان غبار سے

دھوئیں کی دیوار کھڑی کر جاتے تھے جس کی لمبائی کئی میل ہوتی تھی۔ ان طیاروں کے پیچھے بمباروں کے غول آتے اور دھوئیں کی دیوار کے اس طرف ایک دوسرے کے پیچھے بم گراتے جاتے تھے اس بمباری نے جو قیامت بپا کی اس کا آنکھوں دیکھا حال لکھتے ہوئے لرزہ طاری ہو جاتا ہے گاؤں کے گاؤں یوں اڑ گئے تھے جیسے یہاں کبھی کوئی آبادی تھی ہی نہیں۔ درخت جڑ سے اکھڑ کر بموں کی آگ سے جل رہے تھے جرمن سپاہیوں کے اعضاء دور فضا میں اڑتے نظر آتے تھے۔ آسمان سے پتھروں، اینٹوں، لوہے کے لال انگارہ ٹکڑوں اور انسانی اعضاء کی بارش ہو رہی تھی۔

ہم (چند اخباری نامہ نگار ایک امریکی پلٹن کے ساتھ) ایک قصبے میں تھے۔ بم ہم سے کوئی ایک میل پرے گر رہے تھے۔ زمین یوں ہل رہی تھی جیسے ہم طوفانی سمندر میں کشتی میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ بمباری سے دور دور کے مکان محض دھماکوں سے ہی زمین بوس ہو رہے تھے۔

مجھے بتایا گیا کہ بمبار ہوابازوں کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ دھوئیں کی دیوار دیکھ کر اس سے چند سو گز پرے بم گراتے چلے جائیں۔ یہ حملے کا پہلا روز تھا معدا کا کرنا کیا ہوا کہ ہوا کا رخ بدل گیا۔ ہوا جرمن مورچوں کی طرف سے ہماری سمت چلنے لگی جس سے دھوئیں کی دیوار تیزی سے سرک کر ہماری طرف یعنی اتحادیوں کے مورچوں کی طرف آنے لگی۔ اب بمباروں کا جو غول آیا تو اس نے بم دھوئیں کے مطابق ہمارے قریب گرانے گے۔ اتنے میں ہوا کا ایک ایسا تھپیڑا آیا کہ دھوئیں کی دیوار ہمارے قریب آ گئی پیشتر اس کے کہ بری فوج کا کمانڈر ہوابازوں کو وائرلیس پر کہتا کہ

بمباری روکو۔ ہم نے فضا میں اپنے سروں پہ بموں کی خوفناک چیخیں سنیں۔ (بم جب طیارے سے الگ ہو کر زمین کی طرف گرنے لگتا ہے تو اس میں سے چیخیں سی نکلتی ہیں) بم سیدھے ہم پر آ رہے تھے۔

میں انگلینڈ پہ بمباری کے دوران جرمن بموں کی چیخیں اکثر سنی تھیں لیکن جب امریکی ہوابازوں کے گرائے ہوئے بم امریکیوں کے سروں پہ آئے تو ان کی چیخیں تیروں کی طرح سینے سے پار ہونے لگیں۔ پلٹن کے افسر اور سپاہی جدھر منہ آیا بھاگ اٹھے کئی مورچوں میں سر نیچے کر کے دبک گئے بعض درختوں تلے اوندھے منہ لیٹ گئے کسی نے مکان میں پناہ لی میرے لئے کوئی پناہ نہیں تھی۔ یوں لگا جیسے پاؤں زمین میں دھنس گئے ہوں۔ اور میں ہل بھی نہیں سکونگا۔ اوپر دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔ بموں کی کرخت سیٹیاں اور بھیانک چیخیں بلند تر ہوتی جا رہی تھیں۔ مجھے قریب ہی ایک گھوڑا گاڑی، گھوڑوں کے بغیر کھڑی نظر آ گئی۔ جانے مجھ میں اتنی پھرتی کہاں سے آ گئی کہ میں دوسرے لمحے گاڑی کے نیچے تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری دہشت زدگی کوئی نہ دیکھ سکے گا کیونکہ میں اکیلا ہوں۔ لیکن گاڑی کے نیچے ہمارا ایک افسر لیٹا ہوا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظروں میں ایک ہی جیسا سوالیہ تاثر اور ایک ہی جیسی خوف زدگی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے پوچھنا چاہتے تھے کہ کیا یہ سچ ہے کہ امریکی اور برطانوی ہوائی بیڑہ اپنے ہی لشکر کو بھسم کر رہا ہے؟ نہیں! یہ ڈراؤنا خواب ہے۔

لیکن بموں نے زمین سے ٹکرا کر خواب کو حقیقت بنا دیا ہم سے ذرا ہی دور جو دھماکے ہوئے میں انہیں بیان نہیں کر سکتا۔ انگریزی زبان میں ان کی وضاحت کے لئے یقیناً الفاظ نہیں ہیں۔ دھماکوں نے زمین کو اس حد تک ہلا ڈالا جیسے زمین اٹھ کر سینے سے آ ٹکرائی ہو۔ پسلیاں ٹوٹی تو نہیں لیکن ایسے لگا جیسے ایک بھی پسلی سلامت نہیں سانس گھٹ گیا۔ کان بند ہو گئے۔ سر تیزی کی طرح چکرانے لگا۔

پھر دھماکے خاموش ہو گئے۔ میں نے اُٹھ کر دیکھا گردو پیش کا حُلیہ بدل چکا تھا۔ ہر طرف سے انسانی آہ و بکا سنائی دینے لگی۔ جانے کتنے سپاہی ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ درخت اُکھڑ گئے تھے۔ قصبے کے مکان گر چکے تھے اور حد یہ کہ دُور پرے بمباروں کی ایک اور فارمیشن ہم پر مزید بم گرانے چلی آ رہی تھی۔ انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا کہ تم اپنے ساتھیوں کے پرخچے اُڑا رہے ہو۔ بتانے والے مر چکے تھے یا بھاگ گئے تھے۔

دھوئیں کی دیوار اب ہمارے پچھلے مورچوں کی طرف سرک گئی تھی اور بمبار طیارے اس کے مطابق بم گراتے آ رہے تھے۔ اتحادیوں کی پوزیشنیں قیامت کا میدان بن گئیں۔ بم ہمارے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں گرنے لگے۔ یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ اور اتحادی اتحادیوں کے ہی ہوائی بیڑے کے ہاتھوں مرتے رہے۔ آخر یہ لغزش دیکھ لی گئی اور بمباری رکی۔ مرنے والوں میں جنرل میکنیر بھی تھا اور امریکی پریس کا مشہور فوٹو گرافر اِردن بھی۔

دو لڑاکا طیارے آگئے اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگے ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ بمباروں کے جو غول چلے آ رہے تھے وہ انہیں بتائیں کہ بم کہاں گرانے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جب انگلینڈ کے ہوائی اڈوں پر بمباروں کے ہوا بازوں کو بتایا گیا کہ وہ اپنی فوجوں کو تباہ کر کے آئے ہیں تو سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ان میں سے کئی ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔ ان ہوابازوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی کیونکہ جنگ میں ایسی نادانستہ غلطیاں اکثر ہو جاتی ہیں۔
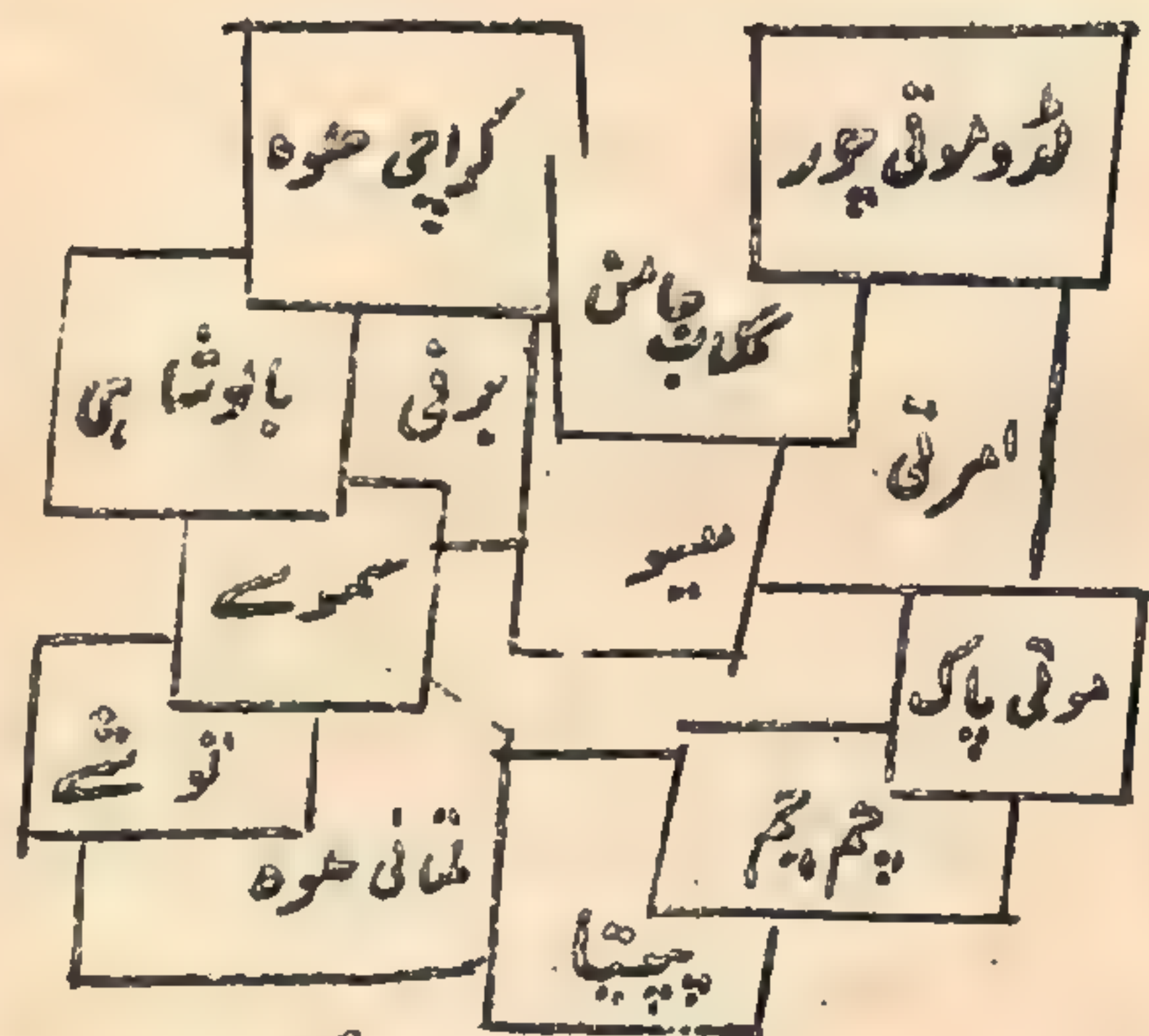
خالد کا آئندہ شمارہ

خالد کے آئندہ شمارہ کا خاص موضوع "غزوات النبی میں خلقِ عظیم" ہوگا۔

(ادارہ)

"ایک غلطی کا ازالہ"

مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ کے سلسلہ میں ماہ مئی کیلئے حضورؑ کی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" مقرر ہے۔ خدام سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً الجزاء

(مہتمم تعلیم)

شیزان
ایک بار نہیں سو بار نہیں
میں تو کہوں گی لاکھوں بار
شیزان کی ہر چیز ہے سب سے مزے دار
MANGO SQUASH
Apple Jelly
Apricot Jam
شیزان انٹرنیشنل لمیٹڈ - بند روڈ - لاہور

Monthly Rabwah

ایڈیٹر
محمد الیاس منیر

مئی 1980

Regd. No. L5830

صرف ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا